سات تارے
شمس الاطباء حکیم محمد حسین بدر
مرکزی مجلس رضا ◉ لاہور

سلسلہ مطبوعاتِ مرکزی مجلس رضا، لاہور (۲۱)

سات ستارے

آسمانِ علم و فضل کے سبع سیارگان

—— علامہ فضل حق خیر آبادی

—— اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

—— حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

—— صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی

—— مولانا غلام محمد ترنم

—— مولانا ابوالحسنات قادری

—— مولانا غلام معین الدین نعیمی

رحمہم اللہ تعالیٰ

کی دینی و ملی خدمات کا ایک اجمالی تعارف اور بسلسلہ تحریک پاکستان انکی مساعی کا

مختصر جائزہ

مؤلفہ

شمس الاطبا حکیم محمد حسین بدر

بی۔ اے (علیگ)

مرکزی مجلس رضا۔ لاہور

کتاب	سات ستارے
مؤلف	شمس الاطباء حکیم محمد حسین بدر
پروف ریڈنگ	قاضی صلاح الدین قادری ضیائی
بار اول	ذی الحج ۱۳۹۷ھ / دسمبر ۱۹۷۷ء

تعداد	ایک ہزار
مطبع	معارف پرنٹرز لاہور
ناشر	مرکزی مجلس رضا ۔ لاہور
ہدیہ	دعائے خیر بحق معاونین مجلس رضا

ملنے کا پتا

مرکزی مجلس رضا ــ نوری مسجد ــ بالمقابل ریلوے سٹیشن لاہور

نوٹ: بیرون جات کے حضرات پچاس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں

۷۸۶
۹۲

ابوالطاہر فدا الحسین فدا

حرفِ آغاز

رب العزت کے الطاف کریمانہ اور سید الانبیاء رحمۃ للعالمین علیہ التحیۃ والتسلیم کی رحمت بے پایاں سے "مرکزی مجلس رضا لاہور" اپنے بنیادی مقاصد کے اعتبار سے نمایاں و امتیازی کردار ادا کر رہی ہے۔ دینی و ملی تبلیغ و اشاعت کے ضمن میں "مجلس رضا" کے قیام (۱۹۶۸ء) سے اب تک تصانیف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ اور اعلیٰ حضرت کی عظیم شخصیت اور ان کے علم و حکمت پر ممتاز اہل علم و دانش کی نگارشات پر مشتمل جو کتب شائع ہو چکی ہیں ان کی تعداد اکیس تک پہنچ چکی ہے۔ ان میں بعض کتابیں تو متعدد بار اشاعت پذیر ہو کر قبولیت عامہ کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔

ذیل میں ان مقدس اور ایمان افروز مطبوعات کی تعدادی تفصیل پوری وضاحت کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

فہرست مطبوعات "مجلس رضا"

۱۔ تجلی المشکوٰۃ	از اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ	بار اول	۵ ہزار
۲۔ "فاضل بریلوی اور ترک موالات"	پروفیسر محمد مسعود احمد	۲ ایڈیشن	۲ ہزار
۳۔ اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام	از مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری	ایک ایڈیشن	ایک ہزار
۴۔ سوانح سراج الفقہا	از مولانا عبدالحکیم شرف قادری	۳ ایڈیشن	۳ ہزار
۵۔ "پیغامات یوم رضا"	از محمد مقبول احمد قادری	۲ ایڈیشن	۲ ہزار

کتاب	مصنف	ایڈیشن	تعداد
۶۔ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	از پروفیسر محمد مسعود احمد	۳ ایڈیشن	۳ ہزار
۷۔ مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری	از ملک شیر محمد خاں اعوان	۴ ایڈیشن	۴ ہزار
۸۔ المجمل المعدد لتالیف المجدد	از علامہ ظفر الدین بہاری	۳ ایڈیشن	۴ ہزار
۹۔ فاضل بریلوی کا فقہی مقام	از علامہ غلام رسول سعیدی	۲ ایڈیشن	۲ ہزار
۱۰۔ محاسن کنز الایمان	از ملک شیر محمد خان اعوان	۴ ایڈیشن	۷ ہزار
۱۱۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر	از سید نور محمد قادری	۲ ایڈیشن	۲ ہزار
۱۲۔ فضائل درود و سلام	از مولانا محمد سعید شبلی	۲ ایڈیشن	۸ ہزار
۱۳ تمہید ایمان	از اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ	ایک ایڈیشن	ایک ہزار
۱۴۔ اجلی الاعلام	از اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ	ایک ایڈیشن	ایک ہزار
۱۵ ضیائے کنز الایمان	از علامہ غلام رسول سعیدی	۴ ایڈیشن	۴ ہزار
۱۶ عاشقِ رسول	از پروفیسر محمد مسعود احمد	۲ ایڈیشن	۲ ہزار
۱۷۔ اذکارِ حبیب رضا	از مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری	۲ ایڈیشن	۳ ہزار
۱۸۔ ڈیوائن ویلیو آف اسلام (انگریزی)	از مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خان نیازی	ایک ایڈیشن	۲ ہزار
۱۹ مولانا احمد رضا کا نعتیہ شاعری میں منصب	از شاعر لکھنوی	ایک ایڈیشن	۲ ہزار
۲۰۔ "فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات کے آئینے میں"	از پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی	ایک ایڈیشن	۲ ہزار

کتاب	مصنف	ایڈیشن	تعداد
۲۱۔ سات ستارے	از حکیم محمد حسین بدر	ایک ایڈیشن	ایک ہزار

کل تعداد ۶۹۰۰۰

مندرجہ بالا فہرست اس امر کی وضاحت ہے کہ "مرکزی مجلس رضا لاہور" کی مطبوعات کی مجموعی تعداد ۶۹ ہزار ہوگئی ہے یہ مطبوعات نہ صرف ملک کے ممتاز اربابِ علم و دانش میں بلا معاوضہ تقسیم کی گئی ہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی ایک وافر تعداد میں بھیجی جا چکی ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

"مرکزی مجلس رضا" کی یہ حیرت انگیز کامیابی ہے کہ اس کی مطبوعات دنیا کے مختلف ممالک میں مقبول خاص و عام ہیں، بمبئی کے ایک معروف و موقر جریدہ ماہنامہ "المیزان" کی ایک خصوصی اشاعت "امام احمد رضا نمبر" میں مجلس کے متعدد رسائل و کتب سے بیشتر مضامین و اقتباسات نقل کئے گئے ہیں اور ان سے خاطر خواہ استفادہ کیا گیا ہے۔ مزید براں یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ حال ہی میں ادارۂ شرکتِ حنفیہ لاہور" نے "انوارِ رضا" کے نام سے مقالات کا ایک ضخیم مجموعہ شائع کیا ہے۔ اس میں بھی "المیزان بمبئی" کے "امام احمد رضا نمبر" سے اہم مضامین مندرج کرنے کے علاوہ "مرکزی مجلس رضا لاہور" کی متعدد مطبوعات پوری کی پوری شامل کی گئی ہیں۔ شرکتِ حنفیہ کی اس پاکیزہ پیش کش پر ہم وابستگانِ ادارہ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں

یہ امر ہمارے لئے باعثِ صد مسرت و افتخار ہے کہ ماہنامہ المیزان بمبئی اور شرکتِ حنفیہ لاہور نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی تعلیمات کی ضوپاشیوں سے ظلمتِ الحاد کو کافور کرنے کے پیشِ نظر جو لائقِ تحسین اقدام کیا ہے ہمارے خیال میں "مجلس رضا" ہی کو اس کا محرک قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ "مدیر المیزان" حضرت سید محمد جیلانی محامد صاحب نے اپنے موقر جریدہ میں "مجلس رضا" سے متعلق کچھ بھی اظہارِ خیال نہیں فرمایا تاہم ان کا ایک مکتوب گرامی محررہ ۲۰ جنوری ۱۹۷۷ء جو کہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے صدر جناب الحاج حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کے نام انہوں نے لکھا تھا اراکین مجلس کے لئے باعثِ طمانیتِ قلب ہے

اس پر جلد ادا کیں ان کی اس یاد فرمائی پر بصمیم قلب ان کے سپاس گزار ہیں، ذیل میں موصوف کے اس مکتوب میں سے اُن کی وہ سطور بطور حوالہ نقل کی جاتی ہیں جو انہوں نے صدر مجلس کی پرخلوص مساعی کو سراہتے ہوئے تحریر فرمائیں۔ لکھتے ہیں :

"اس ضمن میں ہماری نگاہیں آپ پر ہیں۔ آپ نے امام احمد رضا پر کام کرنے کی جو راہ وا کی ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ پوری ملّتِ اسلامیہ کو آپ نے کام کا شعور بخشا ہے۔"

آخر میں اس حقیقت کا اظہار بھی نہایت مناسب اور ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ زیرِ نظر تالیف "سات ستارے" محترم جناب محمد حسین بدر صاحب کا قومی و ملی واقعات و مشاہدات پر مشتمل ایک معلومات افزا مرقع ہے جو بعض اہم مصروفیتوں کے باعث وقتِ معینہ پر طبع ہو کر منظرِ عام پر نہ آسکا اور فاضل مؤلف کو ایک طویل مدت تک انتظار کی زحمت برداشت کرنا پڑی جس کا ہمیں بے حد افسوس ہے لیکن کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا پر کامل یقین رکھتے ہوئے بھی ہم اُن سے اس تاخیر پر معذرت خواہ ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ محترمی بدر صاحب کو ان کے ہر نیک ارادے میں کامیاب و کامران فرمائے اور دنیا و آخرت میں سرخرو و سربلند رکھے۔ آمین ثم آمین

بجاہِ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم

تقریظ

از شہزادہ سعید الرشید محمود عباسی ممبر قومی اسمبلی و پارلیمانی سیکرٹری حکومتِ پاکستان

صادق گڑھ پیلس بہاولپور

بہاولپور ڈویژن کے سیاسی، سماجی، ادبی، مذہبی اور طبی حلقوں میں حکیم محمد حسین بدر کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ "سات ستارے" جو آپ کی تصنیف ہے میری نظر سے گزری کتاب کے ہر باب سے آپ کی بہترین تحقیق کا ثبوت ملتا ہے۔ تحریک پاکستان کے چند پہلوؤں کو آپ نے گمنامی سے نکال کر منصۂ شہود پر اجاگر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی صد سالہ تاریخ کے ابتدائی دور کا مطالعہ کرنے والا شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ان متضاد خیالات رکھنے والے مسلمان فرقوں کی باہمی چپقلش نے اسلامیانِ برصغیر کو ہمیشہ کے لئے انگریز کا غلام بنا دیا۔ ان میں صرف صوفیا کرام کا کردار ایسا ہے جن کی تعلیمات نے برصغیر کے مسلمانوں کو سنبھالا ہی نہیں دیا بلکہ انہیں تحریک پاکستان کے راستے پر گامزن کر دیا۔ جس کی وجہ سے اسلامیانِ برصغیر ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور آخر کار انہوں نے پاکستان کو حاصل کر ہی لیا۔ ان پاک ہستیوں نے جہاں برصغیر میں تصوف و عشق کے وعظ سنائے وہاں عقائد صحیحہ کی تبلیغ و اشاعت میں اہم کردار ادا فرماتے ہوئے غلط نظریات کے مبلغین کا بھی ناطقہ بند کئے رکھا۔

حکیم محمد حسین بدر نے برصغیر کے ان سات اولوالعزم بزرگوں کی روحانی اور سیاسی

زندگی پر بہترین پیرایہ میں تبصرہ کیا ہے۔ میں ان کی اس سعی جمیلہ پر انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں پاکستان کے تاریخ اور ثقافتی تحقیق کے کمیشن سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ مرتب کرتے وقت ان پاک ہستیوں یعنی صوفیائے کرام کی تحریک آزادی میں جدوجہد کا ذکرِ خیر، نصاب تعلیم میں نمایاں طور پر پیش کریں تاکہ آنے والی نسلیں ان بزرگوں کی تعلیمات سے پوری طرح مستفید ہو سکیں۔

تعارف

از۔ بشیر احمد راہی احمد پور شرقیہ

شمس الاطبا حکیم محمد حسین بدر مولف کتاب تحریک پاکستان کے سات ستارے کسی تعارف کے محتاج نہیں کیونکہ آپ کا تعارف آپ کی اُن تصنیف کردہ کتابوں سے ملک کے طول و عرض میں پہنچ چکا ہے جو آپ ادب، سیاست، طب اور مذہب پر تحریر کر چکے ہیں نیز آپ کا تعارف قومی اور مقامی اخبارات کے ذریعہ بھی ہو چکا ہے جو اپنی خصوصی اشاعتوں میں آپ کے انٹرویو شائع کرتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی رسالہ زیر نظر کتاب تحریک پاکستان کے سات ستارے کے لئے آپ کا تعارف تحریر کرنا ضروری تھا جس کی سعادت اس ناچیز کو حاصل ہوئی ہے۔ جی ہاں! میں اسے اسلئے سعادت سمجھتا ہوں کہ شمس الاطباء حکیم محمد حسین بدر جیسی رنگا رنگ شخصیت جو ادیبوں میں ادیب، محققوں میں محقق، شاعروں میں شاعر، صحافیوں میں صحافی، سیاستدانوں میں سیاست دان، سماجی کارکنوں میں سماجی کارکن اور عالموں میں عالم نظر آتے ہیں۔ ایسی شخصیت کی زندگی اور کارکردگی و خدمات کا احاطہ کرنا کم از کم مجھ جیسے آدمی کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

حکیم محمد حسین بدر ۴ جنوری ۱۹۲۵ء کو قصبہ بھوما وڈالہ ضلع امرتسر (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حکیم مولوی فضل دین چونکہ ایک جید عالم تھے اس لئے انہوں نے اپنے اس ہونہار بیٹے پر خصوصی توجہ فرماتے ہوئے دین و دنیا کی تعلیم سے آراستہ کیا۔ حکیم صاحب نے ہائی سکول مجیٹھہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایم۔ اے او کالج امرتسر میں ایف ایس سی میں داخلہ لیا

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی اے کی سند حاصل کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد آپ کامن ویلتھ ریڈیو اسٹیشن جاپان میں کچھ عرصہ اردو اناؤنسر کی بھی خدمات سرانجام دیتے رہے چونکہ آپ کا تعلق علمی، ادبی اور طبی گھرانے سے ہے جس کی وجہ سے آپ سیاست سے بھی کما حقہ طور پر واقف ہیں اور آپ نے ۱۹۳۵ سے ۱۹۴۵ تک تحریک پاکستان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حالات نے پلٹا کھایا اور آپ ڈیرہ نواب صاحب آگئے۔ یہاں پر آتے ہی آپ نے سب سے پہلے اپنا مطب قائم کیا اور بہت ہی قلیل عرصہ میں آپ کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا۔ آپ نے اپنے مطب کے ذریعے خدمت خلق کرنے کے ساتھ ساتھ مقامی لوگوں کا علمی، ادبی اور سماجی شعور بیدار کرنے کا بھی بیڑا اٹھایا۔

ایک اندازے کے مطابق آپ کی لائبریری میں سات ہزار اسلامی، تاریخی، سیاسی اور طبی کتب کا جو ذخیرہ موجود ہے ایسا قیمتی ذخیرہ شاید بہاول پور ڈویژن کے کسی اور شخصی کتب خانے میں موجود نہ ہو۔

حکیم محمد حسین بدر نے زیر نظر کتاب "سات ستارے" کی تالیف و تدوین کیلئے جس عرق ریزی، تندہی اور جانفشانی سے ان بزرگانِ دین کے حالاتِ زندگی اور ان کی سیاسی و ملی خدمات کی نشاندہی کی ہے وہ انتہائی قابلِ داد و ستائش ہے بارگاہ خداوندی میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس نیک کام کو قبولیت عام کا شرف بخشے،

آمین

پیش لفظ

قوموں کے تغیرات کچھ ایسے ہیں جو تاریخ عالم کے صفحات پر آئے دن نظر آتے رہتے ہیں برصغیر میں نواب سراج الدولہ۔ نواب حافظ رحمت خاں (روہیل کھنڈ) اور سلطان ٹیپو شہید کی شہادت کے بعد اسلامیان پاک و ہند کا سیاسی زوال شروع ہوا مسلمانوں کی یہ بدنصیبی ہے کہ ہمیشہ اپنوں ہی نے اسے نقصان پہنچایا، مسلمانوں کی تاریخ کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین سے لیکر شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے رفقا جو مغربی پاکستان میں ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں تمام کے تمام دشمنان اسلام کے ساتھ ریشہ دوانیاں سازشوں اور مسلمانوں کے ساتھ غداریوں کی حکایات سے ملوث نظر آئیں گے۔ خوارزم شاہ و خلافتِ عباسیہ بغداد، سلطنت اسلامیہ اندلس (سپانیہ) کا اپنوں کی سازش سے خاتمہ ہوا خلافت عثمانیہ ترکی کا بھی اپنوں ہی نے چراغ گل کیا۔ برصغیر پاک و ہند میں صفدر جنگ، نجف خاں، شجاع الدولہ، میر جعفر، میر صادق، غلام علی لنگڑا، ارسطو جاہ، الٰہی بخش جیسے غدار مسلمانوں میں پیدا نہ ہوتے تو آج کائنات ارضی کے اس خطہ کی تاریخ مختلف ہوتی۔ سات سمندر پار سے سفید چمڑی والے سیاہ دل انگریز نے جب سلطنت اسلامیہ برصغیر پر سیاسی اقتدار جمانے کے بعد مسلمانوں کا ملی شیرازہ بکھیرنا شروع کیا تو اسلام میں جہاد کے نام پر کئی نام نہاد تحریکیں شروع ہوئیں اور ان تمام تحریکوں کا مقصد ایک ہی تھا کہ مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچایا جائے۔ تقویۃ الایمان جیسی رسوائے زمانہ کتاب منظر عام پر آئی جس کا حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان کے رفقاء نے ردّ بلیغ کیا، اس تحریک کی مخالفت کے آغاز کا سہرا حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے۔

لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد حضرت علامہ موصوف اور ان کے ملک کے کثیر التعداد علمائے کرام کو پھانسی اور گولی کا نشانہ بنا کر راستہ صاف کر دیا گیا اس کے بعد تقویۃ الایمانی علماء کو دوبارہ منظم کیا گیا۔ انہوں نے برصغیر میں تجدید اسلام کے نام پر (متحدہ قومیت) اکبر کے دین الٰہی کا دوبارہ نفاذ شروع کر دیا۔ اس تحریک کے مقابلہ کے لئے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ میدان میں نکل آئے انہوں نے اور ان کے رفقاء نے متحدہ قومیت کے رد میں دو قومی نظریہ کی تائید فرمائی۔ یہ کتاب ان پاک ہستیوں کے سوانح حیات پر مشتمل نہیں بلکہ ان کی خدمات پر ایک مختصر سا تبصرہ ہے جو انہوں نے اسلامیان برصغیر پاک و ہند اور تحریک پاکستان کے لئے سرانجام دیں۔ ان بزرگوں کی قومی و ملی خدمات پر جن تفصیلات کی ضرورت ہے یہ مختصر سی کتاب ان کو پیش کرنے سے قاصر ہے۔ میں نے اس کتاب میں محض ان کی خدمات جلیلہ کا سرسری جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔

یہ امر افسوسناک ہے کہ پاکستان کے قیام کے پچیس سال بعد بھی ان حضرات کی خدمات کا کما حقہ احساس و اعتراف نہیں کیا گیا اس بارے میں میں نے متعدد بار چوہدری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان، سابق صدر جناب محمد ایوب خان اور جنرل محمد یحییٰ خان .... صدر پاکستان کے علاوہ ڈاکٹر معین الحق صاحب۔ ڈائریکٹر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ خدارا ملک دشمن عناصر کا محاسبہ کیا جائے کیونکہ یہ عناصر ملک کے تعلیمی نظام شعبہ نشر و اشاعت اور ہر اس ادارے پر جس سے قومی تعمیر کے لئے نشر و اشاعت کی جا رہی ہے قابض ہو چکے ہیں اور تحریک پاکستان کے خلاف شب و روز سرگرم عمل ہیں۔ نصاب تعلیم اور تاریخ پاکستان میں ان اداروں اور ان افراد کا ذکر موجود ہے جو پاکستان کے قیام میں تحریک پاکستان کے مخالف تھے لیکن ہمارا نوجوان طبقہ یہ بھی نہیں جانتا کہ صوبہ سرحد اور پاکستان کے دوسرے صوبوں میں اس بارے میں رائے عامہ معلوم کی گئی تھی کہ تم لوگ قائد اعظم کے پاکستان میں رہنا چاہتے ہو یا ابوالکلام آزاد، حسین احمد دیوبندی کے متحدہ قومیت کے

ہندوستان میں؟ ۱۹۴۶ء کی رائے شماری میں اسلامیان برصغیر نے مسلم لیگ کے تمام امیدوار کو کامیاب کرایا اور مرکزی اسمبلی کی تیس (۳۰) کی تیس ۳۰ نشستیں جیت لیں اور نصف سے زائد کانگریسی مسلمانوں کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں۔ اسی طرح صوبائی انتخابات میں بھی مسلم لیگ نے تمام صوبوں میں بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی اور سہارنپور کی مرکزی اسمبلی کی نشست جس پر نوابزادہ لیاقت علی خاں الیکشن لڑ رہے تھے، ہندو کانگریس اور برلا سیٹھ نے پچیس لاکھ روپے سے زیادہ کی رقم ووٹ خریدنے کے لئے بے دریغ صرف کی اور مولانا حسین احمد دیوبندی نے اپنے حلقۂ اثر و رسوخ اور مریدوں میں مسلم لیگ کی تائید کرنے والوں پر بے دھڑک کفر کا فتویٰ عاید کر دیا۔ لیکن یہ تمام مذموم حربے قائد اعظم اور ان مشائخ کرام کے تدبر اور فراست کے سامنے ناکام و نا تمام ہو کر رہ گئے۔ اب ملک دشمن عناصر دوبارہ پر پرزے نکال رہے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت صوبہ سرحد اور بلوچستان کے عوام سے پاکستان میں شمولیت کے لئے دریافت نہیں کیا گیا اور اسلام ایک فرسودہ نظام ہے یہ وہی پرانے سرخ پوش اور خدائی خدمتگار کانگریسی ہیں جنہوں نے ۱۹۴۶ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر اپنے امیدوار کھڑے کئے تھے اور انہیں منہ کی کھانا پڑی تھی۔ حقیقت میں پاکستان عالم اسلام کے لئے عموماً اور اسلامیان برصغیر کے لئے خصوصاً اللہ تعالیٰ کا غیبی انعام ہے۔ اگر ہم نے اپنے عمل سے اپنے آپ کو اس نعمت کا مستحق ثابت نہ کیا تو ہم لوگ ہمیشہ کے لئے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے جائیں گے اور آئندہ نسلوں کے سامنے بھی شرمسار اور ذلیل ہوں گے۔ پاکستان تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے ہم اپنی شعوری اور غیر متزلزل قوت سے اس ملک کے وجود کو تحفظ دے سکتے ہیں اور اگر ذرا بھی غفلت کی تو اسلام کو کفر کی تاریکیوں میں دھکیلنے کے مترادف ہوگا۔ یہ فیصلہ کن وقت ہے کہ ہم ملک کے دشمن گروہ کو بے نقاب کریں اور ۱۹۴۶ء کے الیکشن کی طرح ان کو اب بھی شکست فاش دیں۔ آج سے تقریباً چند سال پہلے مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۷۱ء کو میں نے جناب ڈاکٹر سید معین الحق ڈائریکٹر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کو ایک چٹھی لکھ کر ان سے درخواست

ی تھی کہ نظریۂ پاکستان پر بھی کچھ کام کریں   جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"شاہ صاحب نظریۂ پاکستان کا تحفظ اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ پاکستان
کی سرحدوں کا۔ لیکن ہمیں نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان
کے نگلا جنی تاریخ دانوں نے نظریہ پاکستان کو نئی پود کے ذہنوں سے
حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے۔"

ڈاکٹر سید معین الحق ڈائریکٹر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے میرے خط کا جواب
ذیل کے الفاظ میں دیا۔

"مکرمی! کرم نامہ موصول ہوا۔ فی الحال میرے ہاتھ میں اتنا کام ہے اور میں
اس قدر مصروف ہوں کہ آپ کی تجویز کے مطابق کسی نئے موضوع پر تحقیق کا کام
شروع نہیں کر سکتا۔ اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے جو تجویز پیش کی ہے وہ
قومی اور تحقیقی نقطہ نظر سے نہایت اہم اور مفید ہے۔ ہاں اگر آپ یا آپ کے
شرکائے کار میں سے کوئی مقالہ یا مضمون اس سلسلے میں تیار کر سکتے ہیں تو ہم
بخوشی اس کو بصائر میں شائع کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آخر میں یہ ذکر
کروں کہ جناب مولوی سید نعیم الدین مرادآبادی کی خدمت میں صرف نیاز
ہی حاصل نہیں تھا بلکہ ان سے قرابت کا سلسلہ بھی ہے۔"

اس مکتوب کے ملنے پر میں نے رسالہ بصائر کے لئے مضمون لکھنا شروع کیا۔ یہ مضمون اتنا
طویل ہو گیا کہ اسے کتابی شکل میں پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کتاب میں آپ
پڑھیں گے کہ دو قومی نظریہ کس نے پیش کیا اور نظریاتی قوم کیسے زندہ رہتی ہے جب کہ وہ اپنا
نظریۂ حیات اپنی روایات اور اپنی امتیازی خصوصیات کو برقرار رکھتی ہے۔ نظریہ پاکستان
پر اسلامیان برصغیر نے بے شمار قربانیاں دیں جس کے نتیجے میں یہ سب سے بڑی اسلامی ریاست
وجود میں آئی۔ تحریک پاکستان حقیقی معنوں میں ایک مفید تحریک تھی جس کا مدعا و مقصد تمام

ملت اسلامیہ کو ایک مرکز پر جمع کرنا تھا۔ اس کے قیام کے بعد تمام دیگر اسلامی ممالک
پر اس کا خوشگوار اثر پڑنا ضروری تھا۔ اس وقت دنیا بھر میں ستر کروڑ سے زائد مسلمان بستے
ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے وہ دنیا کی کل آبادی کا ۱/۵ اور دنیا کی سب سے بڑی قوموں کے لحاظ
سے دوسرے نمبر پر ہیں اور روئے زمین کا چھٹا حصہ ان کے قبضے میں ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک سو
[illegible] رکن ریاستوں میں سے چالیس ریاستیں ایسی ہیں جن میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے
اس لئے اسلام کے ازلی دشمن یہ کب برداشت کر سکتے تھے کہ مسلمانوں کی ایک عظیم ریاست
دنیا کے نقشے پر ابھرتی نظر آئے اور دوسرے اسلامی ممالک کے لئے تقویت کا باعث ہو۔
قائد اعظم نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ "یاد رکھئے ہم ایک ایسی مملکت تعمیر کر رہے ہیں جو
پوری اسلامی دنیا کی تقدیر بدل دینے میں ایک اہم کردار ادا کرنے والی ہے" قائد اعظم کے ان
الفاظ کو دشمنوں نے ایک چیلنج کی حیثیت سے قبول کر لیا اور روز اول سے پاکستان کو نیست و
نابود کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے پاکستان کے خلاف دو محاذ قائم کر رکھے
ہیں۔ ایک بیرونی محاذ ہے جس پر دشمن کی باقاعدہ فوج جمع ہے اور ایک اندرونی محاذ ہے جس کی
کمان پاکستان میں ضمیر فروش لوگوں نے سنبھال رکھی ہے ان کا نعرہ ہے کہ نظریہ پاکستان ختم ہو چکا
ہے پاکستان میں ایک نہیں بلکہ پانچ قومیں بستی ہیں حالانکہ دو قومی نظریہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام
سے قائم چلا آتا ہے کہ تمام ایمان والوں کی ایک برادری ہے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کو
اللہ تعالیٰ نے اس لئے الگ کر دیا کہ وہ اللہ کے دین کا منکر تھا حجۃ الوداع کے موقع پر
رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان ایک برادری ہیں
کسی عربی کو عجمی پر یا کسی سفید کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سفید پر کوئی
فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔"

غور کا مقام ہے، نظریاتی قوم کا یہ فلسفہ کس نے پیش کیا؟ رنگ و نسل کے بت کس نے

بارش پاش کئے۔ علاقائی اور لسانی بنیادوں پر شرافت اور برتری کے دعوے کس نے باطل
ٹھہرائے جہاں نظریاتی بنیادوں پر اسلام نے مشرق میں بسنے والوں کو مغرب میں بسنے والوں
کا بھائی بنا دیا۔ وہاں نظریاتی اختلاف کی بنا پر باپ بیٹے اور بھائی بھائی کے رشتے منقطع کر دیئے

اس طرح سے دو قومیں بن گئیں۔ ایک مسلمان۔ دوسری کافر۔ پاکستان کی بنیاد بھی
یہی فلسفہ اسلام تھا پاکستان کا وجود بھی اسی بنا پر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ تاریخ شاہد ہے کہ
جب بھی مسلمانوں نے طبقاتی و لسانی سطح پر سوچنا شروع کیا تو ہمیشہ انہیں ذلت کا منہ دیکھنا
پڑا۔ اندلس میں عرب اور بربر قبائل میں جب ٹھنی تو نصرانی ان پر مسلط کئے گئے۔ ایران،
عراق، بلخ اور بخارا کی ریاستوں میں جب شیعہ سنی اختلاف زوروں پر تھا۔ ابن سبائی گروہ
نے جلیل القدر علمائے کرام اور نظام الملک طوسی جیسے مدبر کو اپنے گھناؤنے عزائم کا نشانہ
بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر چنگیز اور ہلاکو جیسے درندہ صفت انسان مسلط کر دیئے۔ برصغیر
پاک و ہند میں جب مسلمانوں میں گروہ بندی ہوئی تو ان پر انگریز حاکم مقرر کر دیئے۔ خلافتِ
عثمانیہ ترکی کا بھی اسی عربی اور غیر عربی کی کشمکش نے شیرازہ بکھیر دیا اور ان پر چار قومیں نصف
صدی تک حکومت کرتی رہیں اور اب بھی نگنی کا ناچ نچا رہی ہیں۔

ان عربوں نے اب بھی اپنی صفوں میں اتحاد قائم نہ کیا تو ان کے سر پر اسرائیل سوار ہے
مشرقی پاکستان کے بھائیوں نے جب اسی طبقاتی سطح پر سوچنا شروع کیا تو ان کو بھی مکار
ہندوؤں کا غلام بننا پڑا۔

تحریک پاکستان ایک حقیقت تھی اور ہے اور ہمیشہ حقیقت ہی رہے گی اس تحریک کے
بانیوں اور مویدین جن کا ذکر اس کتاب میں ہے نے دین سرور انبیا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی ہے اور ملت اسلامیہ کی بہتری بھلائی اور سربلندی کے لیے
اسلامی نظریات کو فروغ دیا ہے ورنہ ۱۹۴۷ء سے قبل ہی ہندو مسلمانوں کے دل و دماغ پر قبضہ
کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ گاندھی اس کی قومی وحدت کو فنا کر چکا تھا۔ مسلمان بھی افراتفری کا

شکار ہو چکا تھا۔ وہ ایک آوارہ اور منتشر گروہ تھا جس کی بیسیوں جماعتیں تھیں ان کے سامنے نہ کوئی
نصب العین تھا اور نہ وہ اپنی منزل کو پہچانتے تھے۔ وہ بنی اسرائیل کی طرح ارضِ ہند میں
حیران و سرگردان پھر رہے تھے۔ وہ اپنا ملی کردار کھو چکے تھے اور جگہ جگہ اپنی خودی کی موت
کا اعلان کرتے پھرتے تھے۔ کبھی حکومت کے سامنے جبہ سائی کو سعادت سمجھتے تھے اور کبھی
ہندوؤں کی چوکھٹ پر ہاتھ پھیلائے پھرتے تھے۔ اس افراتفری کی حالت میں ان بزرگوں نے
اسلامیان برصغیر کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ ان کی مردہ رگوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور
ہندوؤں کی سیاسی برتری کے طلسم کو توڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جن جذبات
کے ماتحت میں نے یہ کتاب لکھنا شروع کی تھی۔ ان کی تہہ میں یہی مقصد تھا کہ پوری تحقیق و
تفتیش کے ساتھ ان پاک ہستیوں کی ملی اور سیاسی زندگی پر کچھ روشنی ڈالی جائے اور ملتِ
اسلامیہ کے ان قائدین نے تحریک پاکستان میں جو کردار ادا کیا اُسے اجاگر کیا جائے۔

آخر میں میں محب وطن تاریخ دانوں سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ دیانتداری سے
تحریک پاکستان اور دو قومی نظریہ پر زیادہ سے زیادہ تحقیقی کام کریں اور مولانا فضل حق خیرآبادی
و اعلیٰ حضرت بریلوی کے کردار کو تعلیمی نصاب میں شامل کریں تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے
ان کی جدوجہد مشعل راہ ثابت ہو۔ جبکہ یہ مقدس ہستیاں ہم میں موجود نہیں تو
ہمارا فرض ہے کہ ہم لوگ اس صراط مستقیم پر گامزن ہوں، جو وہ ہمیں دکھا گئے
تاکہ ایک دن ہم اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ سکیں۔

یہاں میں اپنے معاونین کا شکریہ ادا کرنے کی سعی کرتا ہوں جنہوں نے
اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں میرا ساتھ دیا۔ جناب عبدالقادر
صاحب چغتائی۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ، جناب
حافظ محمد انور صاحب ایم۔ اے اور دبیر الملک سید باقر حسین
شاہ صاحب المعروف نقوی احمد پوری صاحب اور میں امید کرتا ہوں کہ

وہ میرے ہدیہ تشکر کو شرف قبول بخشیں گے۔

خادم قوم

حکیم محمد حسین بدر بی اے علیگ

کاشانۂ بدر ڈیرہ نواب صاحب

مجاہد تحریک آزادی

مولانا علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ

ولادت

مولانا فضل حق خیرآبادی ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء کو اپنے آبائی وطن خیرآباد میں پیدا ہوئے آپ کا خاندان اپنی عالمانہ وجاہت وجلالت کے اعتبار سے برصغیر کے ان چند گنے چنے خاندانوں میں ایک تھا جو کئی صدیوں سے مسند علم پر متمکن چلا آرہا تھا۔ مفتی اعظم بدایوں شیخ بہاؤ الدین، شیخ ارزانی بدایوں اور ملا واعظ ہرگامی (اتالیق اورنگ زیب عالمگیر) کے علاوہ اس خاندان میں متعدد ہستیاں ایسی گزری ہیں جن کے ذکر سے معقولات کی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ آپ نسباً فاروقی مسلکاً حنفی مشرباً چشتی ہیں، سلسلۂ نسب تینتیس ۳۳ واسطوں سے خلیفہ راشد حضرت امیرالمومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام اپنے زمانے میں معقولات کے مستند عالم تھے۔

سرسید احمد، نواب صدیق حسن خاں، مفتی صدرالدین آزردہ صدرالصدور دہلوی ایسے اکابر فضلاء نے ان کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اس وقت دہلی میں دو ایسی شاہی درسگاہیں تھیں جن کی شہرت اکناف واطراف عالم میں پھیل چکی تھی اگر ایک طرف طلباء حدیث وتفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کسب فیض کرتے تو دوسری طرف منطق، فلسفہ اور علوم عقلیہ کی پیچیدگیوں کو حل کرانے کے لئے مولانا فضل امام کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کرتے نظر آتے۔ معقولات کی اس عظیم درسگاہ اور فیض علمی کا تذکرہ نادم سیتاپوری کے الفاظ میں ملاحظہ کیجے

"مولانا فضل امام خیرآبادی جن دنوں دہلی کے صدر الصدور (چیف جسٹس) تھے ان کی قائم کی ہوئی درسگاہ معقولات کی ایک ایسی یونیورسٹی تھی جس کی مثال شاید ہی ہندوستان میں کہیں اور ملے۔ اس تعلیم گاہ میں فلسفہ اور منطق کے جو درس دیئے جاتے تھے یہ انہیں کا صدقہ ہے کہ آج پاک و ہند کے گوشے گوشے سے علوم مشرقی کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں"[1]

تعلیم و تربیت

علامہ فضل حق خیرآبادی نے ایک ایسے صاحب علم و فضل گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جس کی نسلاً بعد نسلٍ اباً عن جدٍ علم و امارت میں دونوں میں امتیازی شان ضرب المثل بن چکی تھی یہی وجہ تھی کہ آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام نے خاندانی روایات کے مطابق قرآن کریم سے آپ کی تعلیم کا آغاز کیا۔ اللہ تعالےٰ نے علامہ کو ایسی ذہانت عطا فرمائی تھی کہ چار ماہ دس دن کی مختصر سی مدت میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ پھر کتب درسیہ والد ماجد نے اس دلچسپی سے پڑھانا شروع کیں کہ گھر کے علاوہ ہاتھی اور پالکی پر بھی دربار آتے جاتے درس کا سلسلہ قائم رکھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں علامہ نے علوم و فنون میں کمال حاصل کر لیا۔ علم حدیث کی سند حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے حاصل کی۔ شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے سامنے بھی زانوئے ادب تہ کیا۔ ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۰۹ء میں تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ و ادبیہ کی تکمیل فرما کر سند فراغت حاصل کی۔

ذہانت و فطانت

علامہ فضل حق خیرآبادی کی قوت حافظہ اور جودت طبع کا اندازہ تو اس سے ہی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے چار ماہ اور دس روز کی مدت میں قرآن مجید کو حفظ کر لیا تھا مگر پھر بھی تواتر سے ایسے واقعات صفحات تاریخ میں پائے جاتے ہیں جو آپ کی ذہانت و فطانت پر شاہد و ناطق ہیں۔

[1] غالب نامہ آور دم ص۱۰۲

شاہ غوث علی قلندر پانی پتی کا بیان ہے کہ علامہ فضل حق نے زمانہ طالب علمی میں ایک مشہور شاعر امراء القیس کے قصیدے کی طرز پر ایک قصیدہ لکھ کر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کیا۔ شاہ صاحب نے ایک مقام پر اصلاح دی۔ اس کے جواب میں علامہ نے اپنے شعر کے حق میں متقدمین کے بیس شعر پڑھ دیئے آپ کے والد ماجد بھی اس وقت موجود تھے وہ فرمانے لگے "بس ادب چاہیئے۔ آپ نے عرض کیا یہ کوئی علم تفسیر و حدیث تو ہے نہیں۔ فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا "برخوردار! تم سچ کہتے ہو مجھے سہو ہوا۔"

اس قصہ سے جہاں علامہ کے کمال فن اور امتحان میں کامیابی کا پتہ چلتا ہے وہاں اساتذہ کی وسعت قلبی کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے۔

اس سے بھی عجیب واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے ردّ شیعہ میں تحفہ اثنا عشری لکھا اس تحفہ نے حد مقبولیت حاصل کی حتیٰ کہ ایران سے "میر باقر درماد" کے خاندان کا ایک متبحر عالم فریقین کی بہت سی کتابیں لیکر شاہ صاحب سے مناظرہ کرنے دہلی پہنچا۔ شاہ صاحب نے ازراہِ اخلاق ان کے قیام کا مناسب انتظام کیا۔ شام کو علامہ فضل حق خیرآبادی درسگاہ میں پہنچے تو شاہ صاحب کو معروف مہمان نوازی اور کیفیت معلوم کی۔ تھوڑی دیر حاضر رہ کر بعد از مغرب مجتہد صاحب سے ملاقات کی مزاج پرسی کے بعد کچھ علمی گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مجتہد صاحب نے پوچھا "میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو؟"

علامہ نے کہا شرح اشارات، شفا اور افق المبین وغیرہ دیکھتا ہوں۔ مجتہد صاحب بڑے حیران ہوئے اور بطور آزمائش "افق المبین" کی ایک عبارت کا مطلب پوچھا۔ علامہ نے نہ صرف مفصل مطلب بیان کیا بلکہ افق المبین پر متعدد اعتراض بھی کر دیئے مجتہد صاحب نے جواب دینے کی کوشش کی تو انہیں بھی آڑے ہاتھوں لیا اور اس کو جان چھڑانا

مشکل ہوگیا۔ آخر علامہ نے اپنے اعتراضات کے جوابات ایسے معقول انداز میں دیئے کہ تمام ہمراہی علماء حیران رہ گئے، علامہ معذرت کرکے رخصت ہوئے اور جاتے ہوئے یہ بھی بتا گئے کہ میں شاہ صاحب کا ایک ادنیٰ شاگرد اور کفش بردار ہوں

صبح کے وقت شاہ صاحب نے مہمانوں کی خیریت دریافت کرنے کے لئے آدمی بھیجا تو پتا چلا وہ آخر شب ہی دہلی سے جاچکے ہیں، شاہ صاحب پریشان ہوئے کہ اتنی دور سے آنے والے مہمان خاموشی سے کیوں چل دیئے جب اصل واقعہ کا انکشاف ہوا تو علامہ پر اظہار خفگی فرمایا کہ مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں چاہیئے تھا وہ ہم سے گفتگو کرنے آئے تھے ہم خود ان سے نمٹ لیتے؟

ان دو واقعات سے صرف اس مقصد کا اظہار مطلوب ہے کہ تحصیل علم کے زمانہ ہی میں جس شخص کی قابلیت اور قادر الکلامی کا یہ عالم تھا تو بعد میں وہ علم و فن کے کس مقام پر پہنچا ہوگا۔

درس و تدریس

گذشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ دہلی میں اس وقت دو ایسی درس گاہیں تھیں جن کی شہرت اکناف و اطراف میں دور دور تک پھیل چکی تھی، ہر دو درسگاہوں میں علوم عقلیہ و نقلیہ کے علیحدہ علیحدہ درس دیئے جاتے تھے تفسیر و حدیث اور منقولات کے طلباء حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ سے اکتساب فیض کرتے اور حکمت، منطق، فلسفہ اور معقولات کی پیاس حضرت مولانا فضل امام خیرآبادی علیہ الرحمۃ کے حلقہ درس سے بجھائی جاتی۔ علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ جب فارغ التحصیل ہوئے تو والد ماجد کے ارشاد کے مطابق مسند درس کو زینت بخشی۔ تیرہ برس کی عمر اور مسند تدریس پر رونق افروزی عجیب سا واقعہ معلوم ہوتا ہے حلقہ درس میں معمر و صاحب ریش و بروت تلامذہ اور قدماء کی کثرت تھی زیر درس۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء و اللہ ذو الفضل العظیم

اور پھر آپ فضل حق بھی خوب ٹھہرے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

صاحب فضل و کمال اور نہایت سطوت و جلال کے مالک علامہ فضل حق خیرآبادی تمام شب و روز تدریس میں منہمک رہے بجز اس کے ان کی زندگی کا کوئی مقصد اور مشغلہ نہ تھا، لوگ ان کے پاس آتے اور یہ انہیں معقولات کی تعلیم دیتے۔ اس عظیم دل و دماغ اور فہم و ادراک کی مالک شخصیت کے پیش نظر شہرت اور دنیاوی جاہ و جلال کا حصول نہیں تھا۔ امارت تو آپ کے گھر کی لونڈی تھی۔ امراء و وزراء تو آپ کے والد ماجد کی خدمت میں خود سلام کے لئے جھک جاتے تھے اس سے منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ درس و تدریس کے مشغلہ کو آپ نے خاندانی نصب العین کے مطابق اپنایا اور اس ساری جگر کاوی کا معاوضہ آپ نے صرف رضائے الٰہی کی صورت میں چاہا

والد ماجد کا احترام

ابتدائے تدریس میں آپ ایک مرتبہ ایک کند ذہن غبی اور بدمحنت طالب علم پر بگڑ گئے، وہ روتا ہوا آپ کے والد ماجد کے پاس پہنچا اور شکایت کردی۔ آپ کو بلایا گیا آپ آئے اور دست بستہ کھڑے ہوگئے۔ والد ماجد نے ایک تھپڑ اس زور سے دیا کہ دستار دور جا پڑی، پھر فرمانے لگے "تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز و نعم میں پرورش پائی جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے خاطرداری سے پڑھایا، طلبہ کی قدر و منزلت تو کیا جانے، اگر مسافرت کرتا، بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ طالب علم کی قدر ہم سے پوچھ۔ خبردار تم نے اگر آئندہ طالب علموں سے کچھ کہا۔"

آپ چپ کھڑے روتے رہے کچھ دم نہ مارا۔ خیر بات رفع دفع ہوئی اور آپ نے پھر کبھی کسی طالب علم سے کچھ نہ کہا۔

ذرا اندازہ لگایئے طلباء کے سامنے مدرس کی اس طرح پٹائی مگر والد ماجد کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے زبان کو حرکت تک نہ دی اور پھر والد ماجد کے ارشاد گرامی کو

ہمیشہ سر آنکھوں پر رکھا ——

مولانا فضل امام کے اس واقعہ سے طلباء پر شفقت اور اولاد کی ہدایت و تربیت
کا جذبہ بھی خوب معلوم ہو رہا ہے۔

مولانا رحمٰن علی صاحب تذکرہ علماء ہند میں اپنا مشاہدہ اس طرح بیان کرتے ہیں ک
میں نے ۱۲۷۴ھ میں علامہ فضل حق خیرآبادی کو جب کہ ان کی عمر باسٹھ سال کی تھی بمقام لکھن
تفریح کے وقت بھی ایک طالب علم کو افق المبین کا درس اس خوبی سے دیتے دیکھا ک
مضامین کتاب طالب علم کے ذہن نشین ہوتے جاتے تھے۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہ سال کی عمر سے مسند تدریس کو زینت بخشنے وال
شخصیت نے بڑھاپے کے عالم میں بھی اپنے محبوب نصب العین کو سینے سے لگائے رکھا

تلامذہ

دارالسلطنت دہلی میں معقولات کا یہ عظیم ادارہ چاردانگ عالم میں شہرت حاصل
کرچکا تھا عرب، ایران، بخارا، افغانستان کے علاوہ تمام عالم اسلامی کے
گوشہ گوشہ سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تشنگیٔ علم کا درماں کرتے ۱۸۰۹
سے ۱۸۵۸ء تک مسلسل پچاس برس درس دیا۔ حکومتی و ریاستی عہدے کبھی مشغلہ درس میں
حائل نہ ہوئے۔ اس لئے آپ کے فیض یافتگان کی تعداد کا شمار ناممکن ہے، کاش کوئی قریب
زمانے میں علامہ کے تلامذہ کی فہرست مرتب کرلیتا۔ ہزاروں شاگردوں میں سے چند تلامذہ جو
فضل کے درخشندہ ستارے اور اپنے وقت کے امام الفن کہلائے حسب ذیل ہیں۔

پیکر فضل و کمال شمس العلماء صاحبزادہ مولانا محمد عبدالحق خیرآبادی، مولانا ہدایت ال
خان جونپوری (استاذ مولانا سید سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگ
مولانا امجد علی اعظمی صاحب بہار شریعت) ادیب شہیر مولانا فیض الحسن سہارنپوری (استاذ
شبلی نعمانی) مولانا تجمل احمد، مولانا سلطان احمد بریلوی، مولانا عبداللہ بلگرامی، مولانا عبدال
بدایونی، مولانا شاہ عبدالحق کانپوری، مولانا ہدایت علی بریلوی (استاذ مولانا فضل حق رامپور

مولانا غلام قادر گوپاموی (سبط مولانا فضل امام) مولانا خیرالدین دہلوی ثم مکی (والد مولانا
ابوالکلام آزاد) علیہم الرحمۃ والرضوان۔

خصائص وخصائل

مولانا محمد میاں صاحب اپنی کتاب "حادثہ بالاکوٹ" میں علامہ
فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ کے خصائص وخصائل، اخلاق و کردار،
معمولات اور عادات کریمہ پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

علامہ کو قرآن کریم سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا، صبح و شام تلاوت قرآن مجید آپ
کے معمولات کا ایک حصہ بن چکی تھی، ہر ہفتے قرآن مجید ختم کرتے، حافظ قرآن تو
تھے ہی چاہتے تو ہر دوسرے دن ختم ہو جاتا مگر آداب تلاوت کو ہمیشہ ملحوظ خاطر
رکھا، ایک معقولی اور قرآن کریم سے یہ محبت واضح کر رہی ہے کہ آپ کو دین مصطفیٰ
سے اتنی ہی محبت تھی جیسی کہ ایک محدث کو ہوتی ہے، آپ نے حکمت و فلسفہ کو
بطور دفاع کے استعمال کیا جیسا کہ آپ کی بلند پایہ تصانیف سے روز روشن کی
طرح عیاں ہے الحاد و دہریت کے پجاریوں کی امیدوں پر آپ نے پانی پھیر دیا اور اس مردِ حق
آگاہ نے حکمت و فلسفہ کو بطور ڈھال استعمال کیا

مولانا عبدالشاہد شروانی لکھتے ہیں کہ۔ علامہ بڑے فیاض اور رحم دل واقع ہوئے تھے۔
دوسروں کی تکلیف ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ داد و دہش کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا
دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک آپ کا طرۂ امتیاز تھا ایک بار حکیم مومن خان مومن سے
کسی بات پر ناخوش ہو کر مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو دوسرے وقت ان کے یہاں جاکر انہیں
منا لائے۔ آپ کی فیاضی اور بزرگوں کے احترام کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ شاہ غوث علی شاہ گرد
حضرت مولانا فضل امام خیرآبادی رامپور کے قیام کے دوران میں نظر پڑ گئے ان کا سرائے
میں قیام تھا، علامہ نے بے انتہا اصرار سے اپنے پاس ٹھہرانے کی کوشش کی لیکن شاہ صاحب
مخصوص وظائف کے باعث تخلیہ کے خوگر تھے آمادہ نہ ہوئے تو علامہ نے مالک سرائے

سے کہلا بھیجا کہ شاہ صاحب کے تمام مصارف کا بل ہمارے پاس گئے اور جس قدر بھی
خرچ ہوا ان سے کچھ طلب نہ کیا جائے۔

علامہ نے اپنے احباب و رفقاء کی معاونت کی نئی نئی صورتیں پیدا کیں آپ کے مخلص
احباب میں مرزا اسد اللہ خاں غالب سب سے زیادہ ضرورت مند تھے۔ ان کی کس مپرسی آپ
سے دیکھی نہیں جاتی تھی چنانچہ آپ نے نواب سید یوسف علی خان والئی رامپور سے غالب
کے تعلقات استوار کرائے اور مستقل طور پر وظیفہ جاری کروا دیا۔ اس احسان مندی کا تذکرہ
غالب کے مکاتیب وغیرہ میں با تفصیل پایا جاتا ہے۔

بہادر شاہ ظفر کی عقیدت علامہ کو جب دہلی سے نواب فیض محمد خان والی جھجر نے
انتہائی قدردانی کے ساتھ اپنے پاس بلایا تو دہلی
سے جھجر کی طرف آپ کی روانگی کا منظر بڑا عجیب تھا۔ وقت کے ولیعہد سلطنت مرزا ابو ظفر
بہادر شاہ کی عقیدت و محبت دیدنی تھی، وہ اپنا ملبوس دوشالہ علامہ کو اوڑھا رہے ہیں اور بوقت
الوداع آبدیدہ ہو کر عرض گزار ہیں۔

"چونکہ آپ جانے کو تیار ہیں، میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ
میں بھی اس کو منظور کر لوں مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع زبان پر لانا
دشوار ہے۔"

سخن فہمی علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ جملہ علوم و فنون میں ید طولیٰ
رکھتے تھے شعر گوئی کی طرح سخن فہمی میں بھی کمال حاصل تھا۔
خیر آباد جو علماء و صلحاء کا مرکز چلا آرہا تھا وہاں کی مردم خیز زمین نے بڑے بڑے نامور شعراء کو
بھی جنم دینے کا فخر حاصل کیا، علامہ کے دور میں مولوی تراب علی ناؔمی، منشی قدرت حسین
قدرؔت، مولوی مظفر حسین شوؔقی، منشی محمد جعفر زہرؔی، منشی بہاری لال خاوری،
منشی موہن لال گراؔمی، مولوی الٰہی بخش نادؔش، مولوی فضل عظیم عظیؔم وغیرہم گلستان شاعری

کے وہ شگفتہ پھول تھے جن کی عظمت مسلّم تھی، میدان شعر و سخن میں ان کا شہرہ تھا یہیں
سے علامہ کو بھی سخن فہمی و نکتہ سنجی میں کمال حاصل ہوا۔

باغی ہندوستان کی روایت کے مطابق علامہ کی صاحبزادی بی بی سعید النساء بھی
بڑی شاعرہ تھی حرماں تخلص فرماتیں حضرت مضطر خیر آبادی انہی کے صاحبزادے تھے جو
اپنے وقت کے نامور شاعر تھے خیر آباد کی علمی و ادبی فضا نے اس آخری دور میں وسیم، کوثر،
ریاض، بسمل، نیر اور اختر جیسے صاحب دیوان و باکمال شعراء پیدا کئے جنہوں نے خیر آباد کی
شان کو چار چاند لگا دیئے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی جب وطن مالوف سے دہلی پہنچے تو وہاں بھی یہی رنگ
دیکھا، دار السلطنت دہلی ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی کاملین فن کا مرکز تھا ولیعہد سلطنت صاحب
عالم ابو ظفر بہادر شاہ کی شعر و سخن سے دلچسپی نے دہلی کو اور بھی رشک آسمان بنا دیا تھا۔
علامہ محکمہ ریزیڈنٹ کے سر رشتہ دار ہو چکے تھے ولیعہد سے دوستانہ مراسم تھے۔
قلعہ میں آمد و رفت رہتی تھی، بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولوی امام بخش صہبائی، علامہ عبد اللہ
خاں علوی، حکیم مومن خاں مومؔن، مفتی صدر الدین خاں آزردہؔ، مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ،
نواب ضیاء الدین خان نیرؔ، شاہ نصیر الدین نصیرؔ، شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ، حکیم آغا خاں عیشؔ،
حافظ عبد الرحمٰن خاں احسانؔ، میر حسن تسکینؔ اور خدا جانے کتنے سخن وران باکمال کا جمگھٹا تھا
جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہو گا۔

تصانیف: علامہ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یقین نہیں آتا کہ آپ نے داخلی و خارجی
معروفیات اور مشاغل کے باوجود کس طرح متعدد قابل قدر کتابیں لکھیں جنہیں
اہل علم نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مختلف علوم و فنون پر آپ کی چند
کتب کے نام حسب ذیل ہیں۔

باغی ہندوستان ص۹۲ ایسٹ انڈیا کمپنی ص گل رعنا ص۲۱۲ بحوالہ باغی ہندوستان ص۹۶

حاشیہ قاضی مبارک

میر سعیدیہ

حاشیہ افق المبین

امتناع النظیر

تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ

الروض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود

قصائد فتنۃ الہند

الثورۃ الہندیہ وغیرہ

موخر الذکر دو کتابیں تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کے اسباب و عوامل مجاہدین آزادی کی کارگزاریوں، وجوہ ناکامی اور اس سلسلے میں خود علامہ کو پیش آنے والے مصائب و آلام پر مشتمل ہیں۔

مولانا امداد صابری اپنی کتاب "۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء" میں لکھتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی کل جنگ آزادی یا کسی صوبہ و ضلع کی جنگ آزادی پر جو کتابیں اس وقت لکھی گئیں "الثورۃ الہندیہ" کے علاوہ انگریز کے منشاء و ایما پر ان کی پالیسی کے مطابق لکھی گئیں ان میں مجاہدین و جانثاران وطن کی قربانیوں اور شخصیتوں کو ارادۃً حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مسخ کیا گیا۔ (مجاہد شعراء ص ۴۹)

جنگِ آزادی کا آغاز

انگریز تاجر کے بھیس میں وارد ہندوستان ہوئے اور اپنی روایتی مکاری سے آہستہ آہستہ ہندوستان کے بہت بڑے حصہ پر قابض ہو گئے اور والیانِ ریاست کو بے دست و پا کرکے رکھ دیا، پھر اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اہل ہند کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ طاقت کے نشہ میں دیگر مذاہب خصوصاً مذہب اسلام کے خلاف محاذ کھول دیا پادری کھلے بندوں بستیوں چوراہوں اور اجتماع کے دیگر مقامات پر کھڑے ہو کر اپنے مذہب کا پرچار کرتے اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر رکیک حملے کرتے، ایسی باتوں سے مسلمانوں کا مشتعل ہونا لازمی امر تھا، دین و مذہب کی چاشنی ہندوستانی مسلمانوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی وہ ہر ذلت برداشت کر سکتے تھے لیکن دین مبین کی توہین اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص کسی بھی صورت برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ان کی دیدہ دلیری اس حد تک پہنچ گئی کہ ۱۸۰۰ء میں پادری ایڈمنڈ نے مختلف لوگوں خصوصاً سرکاری ملازموں کو ایک گشتی چٹھی بھیجی جس میں لکھا تھا کہ :

"اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہو گئی ہے تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی، ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہو گئی مذہب بھی ایک چاہیئے اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ"

"اسباب بغاوت ہند از سر سید"

مسلمانوں کو مساجد میں اذان تک دینے سے روک دیا گیا حتیٰ کہ جنوماں گروہی کی جامع مسجد میں [۲۶۹] دو سو انہتر مسلمانوں کو عین نماز کی حالت میں شہید کر دیا گیا۔ قرآن مجید کے پرزے پرزے

کر کے پاؤں تلے روندا گیا، جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو کر سکھ بجائے گئے اور یہ تمام کارروائی انگریز افسر کی موجودگی میں عمل میں لائی گئی اور وہ تماشہ دیکھتے رہے۔

ایسے بے شمار واقعات اور ذلیل ہتھکنڈوں کی وجہ سے ہر حساس دل میں اضطراب کی لہر اٹھ رہی تھی لیکن یہ سوچ کر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا کہ ہمارے پاس نہ حکومت ہے نہ منظم قوت، بادشاہ دہلی کے اختیارات سلب کئے جا چکے ہیں۔ لکھنؤ کے نواب واجد علی کو معزول کر دیا گیا ہے ایسے حالات میں ظالم وجابر قوت کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا تھا جب کہ مسلمانوں کے سامنے اپنا حسین ماضی تھا، سرزمین ہند پر سات سو سال تک مسلمان حکمرانی کر چکے تھے۔ تین سو سال تک سلاطین مغلیہ تخت حکومت پر متمکن رہ چکے تھے۔

ہر شخص ایسی پس و پیش میں تھا کہ اچانک چربی والے کارتوسوں کے واقعے نے جلتی پر تیل کا کام کیا، ان کارتوسوں میں سؤر اور گائے کی چربی استعمال ہوتی تھی اور کارتوس کو استعمال کے وقت دانت سے کاٹنا پڑتا تھا۔

اس خبر نے ہندو اور مسلمان دونوں کو مشتعل کر دیا انگریزوں نے صبر و تحمل اور حکمت عملی سے کام لینے کی بجائے جبر و تشدد کی راہ اختیار کی۔

میرٹھ میں ۲۴ اپریل ۱۸۵۷ء کو کرنل اسمتھ نے پریڈ کا حکم دیا کہ نئے کارتوسوں کا استعمال سکھایا جائے ہر پلٹن کے کچھ آدمی جمع کئے لیکن نوے میں سے پچاسی سپاہیوں نے کارتوس لینے سے انکار کر دیا جن میں انچاس مسلمان اور چھتیس غیر مسلم تھے ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلا۔ پابہ زنجیر کر کے دس دس سال قید با مشقت کا حکم سنایا گیا۔

اس پر سپاہیوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء اتوار کے دن جب انگریز گرجے گئے ہوئے تھے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کو چھڑا لینے کے لئے جنگ آزادی کا اعلان کر دیا اور جیل خانہ توڑ کر انہیں رہا کیا اور میرٹھ سے دہلی روانہ ہو گئے ادھر بعض شرپسندوں نے میرٹھ میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا، انگریزوں کے بنگلوں کو جلایا اور ان کو قتل کیا۔

فوج نے دہلی پہنچ کر بہادر شاہ ظفر کو اپنا سربراہ بنا لیا اور انگریزوں کے خلاف محاذ کھول دیا۔

فتوائے جہاد اور گرفتاری

۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں روہیلہ بریلی سے ایک لشکر جرار لیکر دہلی پہنچے نظم و ضبط بحال کرنے کی کوشش کی۔ دہلی کی جامع مسجد میں علماء نے فتویٰ جہاد مرتب کیا۔ دہلی کے جن اکابر علماء نے فتوے پر اپنے دستخط اور مہریں ثبت کیں ان میں سرفہرست مولانا مفتی صدر الدین آزردہ صدر الصدور دہلی کا بھی نام آتا ہے۔

علامہ فضل حق خیرآبادی کا ایسا سلیم الفطرت اور ملت اسلامیہ کا صحیح درد رکھنے والا انسان اس تحریک سے کس طرح علیحدہ رہ سکتا تھا گو آپ ابتدائے جہاد کے وقت الور میں تھے مگر ملکی صورت کی نزاکت کے پیش نظر مختلف مقام سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے اس وقت فتویٰ جہاد کا اشاذ ور دہ تھا۔ مولانا علماء شہر سے ملے ان میں دو گروہ تھے ایک بادشاہ کا ہمنوا دوسرا حکومت کمپنی کا بہی خواہ۔ فوجوں کا جائزہ لیا ہنگاموں کی حالت دیکھی ہر ایک طلب زر کا متمنی مگر ایک ہستی ایسی بھی تھی جو ایک مقصد کو لئے ہوئے جان پر کھیل رہی تھی۔ وہ گروہ مجاہدین کا تھا ان کے ہمنوا روہیلہ تھے، یہ لوگ جنرل بخت خاں سردار روہیلہ کی زیر کمان تھے، مولانا کی خبر سن کر جنرل بخت خاں ملنے آئے۔ ملاقات ہوئی چنانچہ مولانا نے آخری تیر ترکش سے نکالا جمعہ کے روز جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی، استفتاء پیش کیا، اب اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ بقول ذکاء اللہ دہلوی۔ دلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔ مجاہدین دیوانہ وار کمپنی کی فوج سے مقابلہ کرنے لگے۔ مگر ملک و ملت کے غداروں کے باعث کمپنی کی فوج دلی پر قابض ہو گئی۔ اور اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ مرزا مغل گولی کا نشانہ بنے، بادشاہ قید کئے گئے جنرل بخت خاں اپنی فوج اور توپ خانہ کو نکال لے گئے، بادشاہ سے کہا آپ میرے ساتھ چلئے مگر وہ زینت محل

اور مرزا الٰہی بخش کے ہاتھ میں تھے۔ آخر جنرل بخت خاں نے لکھنؤ کا راستہ لیا، ڈاکٹر وزیر خاں اور مولانا فیض احمد بدایونی وغیرہ بھی لکھنؤ چلے آئے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی وطن پہنچے۔

متسلط حکومت برطانیہ نے باغیوں پر مقدمے دائر کئے اس کی لپیٹ میں مولانا فضل حق خیرآبادی بھی آئے۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتویٰ جہاد کی پاداش اور جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ ہو کر سیتا پور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا۔ فیصلہ کے لئے جیوری بیٹھی ایک اسیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ وکیل سرکار کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کرتے اور خود ہی مثل تارِ عنکبوت کی طرح توڑ دیتے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر دنگ تھا۔ جج نے صدرالصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا وہ مولانا کی عظمت اور تبحر علمی سے واقف تھا وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں۔

مقدمہ کا آخری دن تھا۔ مولانا نے اپنے اوپر جس قدر الزام لئے تھے ایک ایک کر کے سب رد کر دیئے جس مخبر نے فتویٰ کی خبر کی تھی اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی اور فرمایا

"وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے"۔ باغی ہندوستان ص۱۴۱ ایسٹ انڈیا کمپنی ص۳۰۸ باغی علماء

جج بار بار علامہ کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخبر نے عدالت کا رخ اور علامہ کی بارعب و پروقار شکل دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا کہ یہ وہ مولانا فضل حق نہیں وہ دوسرے تھے۔ گو وہ حسن صورت اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متاثر ہو چکا تھا۔ مگر علامہ کی شان استقلال کے قربان جائیے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے۔

وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی
میری وہی رائے ہے ؂

نازاں بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

گیدڑوں کی زندگی پر موت کو ترجیح دے
شیر بن آزاد ہو اس میں ہے شان زندگی

علامہ کے اقرار و توثیق کے بعد گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی بے حد رنج کے ساتھ عدالت نے حبس دوام بہ عبور دریائے شور کا حکم سنایا۔ آپ نے کمالِ مسرت اور خندہ پیشانی سے سنا ——— آخرش جزیرہ انڈمان روانہ کر دیئے گئے۔

وصال

علامہ جزیرہ انڈمان پہنچے۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی صدرامین بریلی و کول۔ مفتی مظہر کریم دریاآبادی اور دوسرے مجاہد علماء وہاں پہلے پہنچ چکے تھے ان علماء کی برکت سے یہ بدنام جزیرہ دارالعلوم بن گیا۔ ان حضرات نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ وہاں بھی قائم رکھا۔ خرابیٔ آب و ہوا، تکالیف شاقہ اور دورجدائی احباب و اعزہ کے باوجود علمی مشاغل جاری رہے مفتی صاحب نے علم الصیغہ جیسی صرف کی مفید کتاب جو آج تک داخل نصاب ہے وہیں لکھی۔ تواریخ حبیب اللہ اپنے تاریخی نام کے ساتھ بھی اس دور کی یاد تازہ کر رہی ہے۔

علامہ نے بھی کئی مفید تصانیف لکھیں انہیں میں الثورۃ الہندیہ اور قصائد فتنۃ الہند ہیں۔ یہ رسالہ اور قصائد جہاں تاریخی ہیں عربی ادبیت کے بھی بلندپایہ شاہکار ہیں۔

علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان کے ساتھیوں کو کیا کیا تکالیف اٹھانا پڑیں اور انڈمان میں کیسے ذلت آمیز برتاؤ سے سابقہ رہا۔ الثورۃ الہندیہ اور قصائد میں اس کا مفصل ذکر موجود ہے۔ مولانا عبدالشاہد شروانی باغی ہندوستان اور مفتی انتظام اللہ شہابی "ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء" میں رقمطراز ہیں کہ

مولانا فضل حق خیرآبادی جب جیل میں تھے تو وہاں کا ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ جو مشرقی علوم سے واقف اور فن ہیئت کا ماہر تھا اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی صاحب بھی تھے اپنی ایک فارسی کی کتاب ہیئت ان کو دی کہ اس کی عبارت صحیح و درست کر دیں مولوی صاحب سے

کام چلا نہیں۔ علامہ سے ملنے گئے تھے ان کی خدمت میں کتاب پیش کرکے تصحیح کی گذارش کی۔ علامہ نے نہ صرف عبارت درست کی بلکہ مباحث میں بہت کچھ اضافہ کرکے حاشیہ پر بہت سی کتب کے حوالے لکھ دیے۔ یہ کتاب جب مولوی صاحب سپرنٹنڈنٹ کے پاس لے کر گئے تو وہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔

کہنے لگا مولوی صاحب! تم جیسے لائق آدمی ہو مگر جن کتابوں کے حوالے ہیں اور ان کی عبارتیں نقل کی ہیں یہاں کہاں ہیں؟

مولوی صاحب مسکرائے اور اصل واقعہ علامہ کا کہہ سنایا۔ وہ اسی وقت مولوی صاحب کو لے کر بارک میں آیا۔ علامہ موجود نہ تھے۔ کچھ دیر انتظار کے بعد دیکھا کہ ٹوکرا بغل میں دبائے چلے آرہے ہیں۔ وہ یہ ہیئت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ معذرت کے بعد کلرکی میں لے لیا گورنمنٹ میں سفارش بھی کی مگر زندگی میں رہائی کی نوبت نہ آسکی قید میں رہتے ہوئے ہی اس جہان فانی سے ۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہائی حاصل کرکے راہی ملک بقا ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں۔
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

بیان کرتے ہیں کہ علامہ فضل حق خیرآبادی کے صاحبزادے مولانا شمس الحق اور خواجہ غلام غوث بے خبر شریک جنازہ ہوئے۔ آہ! آفتاب علم و عمل دیارِ غربت میں غروب ہو گیا۔ باغی ہندوستان کی روایت کے مطابق اب تک مزار مرجع انام اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

راقم السطور کو ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء میں آپ کے مرقد انور پر اس وقت حاضری کی سعادت نصیب ہوئی جب ۹۱۵ کمبائنڈ انڈین ملٹری ہاسپٹل کو مہابنگال سے کچھ ہندوستانی بیمار لینے کے لئے وہاں بھیجا گیا۔ علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ کے مزار پر میری پہلی حاضری شام کے وقت ہوئی دو گھنٹے تک تلاوت قرآن حکیم میں مصروف رہا پھر ایصال ثواب کرتا ہوا

رخصت ہوا۔ وہاں میرا قیام ہفتہ بھر رہا اور روزانہ حاضری کے لئے جاتا اور لوگوں کو مصروف دعا پاتا۔ آخری روز مرقد انور کی حاضری دینا ہوا آہوں اور سسکیوں کے ساتھ اس شعر کا ورد کرتے ہوئے رخصت ہوا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اختصار کے پیش نظر یہیں پر اختتام کرتا ہوا عرض گزار ہوں کہ جسے علامہ کی زندگی مطالعہ کرنا مقصود ہو تو درج ذیل کتب کی طرف رجوع کرے۔

- تذکرہ علماء ہند
- آثار الصنادید
- حادثۂ بالاکوٹ اور اس کے اسباب (قلمی)
- روزنامچہ حکیم محمد صاحب خاں (قلمی)
- علمائے اسلام
- بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد
- واجد علی شاہ اور ان کا عہد
- اسباب بغاوت ہند
- تشکیل پاکستان
- باغی ہندوستان
- خون کے آنسو (حصہ اول)
- دانشکدہ
- الثورۃ الہندیہ
- تاریخ اودھ

گریٹ ریو لیشن آف ۱۸۵۷ء

پاکستان انقلاب سے پہلے انقلاب کے بعد

تذکرہ غوثیہ

ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء

غالب نام آورم

فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون

۱۸۵۷ء آزادی نمبر ترجمان اہلسنت کراچی

اعلیٰ حضرت

مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ

خاندان اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ ایک ایسے قابل فخر خاندان کے رجل عظیم ہیں، جو اپنی عسکری علمی و روحانی خدمات کے باعث نسلاً بعد نسل آج تک شہرہ آفاق ہے آپ کے اجداد میں جناب خاں سعید اللہ خاں علیہ الرحمۃ قندھار کے با عظمت قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے جو عہد مغلیہ میں کابل سے لاہور تشریف لائے تھے اور اس وقت کی اسلامی حکومت مغلیہ کی طرف سے ایک اعلیٰ عہدہ پر متمکن ہوئے۔ شاندار کارکردگی کے باعث لاہور شیش محل بطور انعام ملا کچھ عرصہ بعد فرمان شاہی کی تعمیل میں دہلی جانا ہوا اور شش ہزاری منصب سے سرفراز ہوئے۔ شجاعت جنگ کا خطاب بھی پایا۔ آپ کے بعد جناب خاں سعادت یار خاں حکومت دہلی کی طرف سے روہیل کھنڈ کی مہم پر بھیجے گئے۔ اس مہم کو سر کرنے پر اسی علاقہ کی صوبیداری آپ کے حصے میں آئی مگر اس وقت آپ بستر علالت پر تھے۔ اس عہدہ سے عہدہ برا ہونے کی نوبت تک نہ آئی کہ راہی ملک بقا ہوئے اس خاندان عالی مقام کی تیسری جلیل القدر ہستی جناب خان محمد اعظم خان کی ہے۔ جنہوں نے محلہ معماران بریلی شریف کو اپنا مسکن بنایا۔ عہد مغلیہ میں مختصر مدت وزارت کے عہدہ متمکن رہنے کے بعد راہ فقر اختیار فرمائی، تمام وقت عبادت و ریاضت میں گذرنے لگا۔ اسی مشغلہ میں واصل بحق ہوئے اور بریلی شریف کے بڑے قبرستان میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

اس خاندان عالیہ کی چوتھی بڑی شخصیت حضرت مولانا حافظ کاظم علی خاں علیہ الرحمۃ کے نام سے

معروف ہے جس نے ایک مدت تک بدایوں کی تحصیل داری کو عزت بخشی۔

اعلیحضرت فاضل بریلوی کے دادا حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں علیہ الرحمۃ اپنے وقت کے بے مثل عالم اور ولی کامل تھے۔ انہیں حکومتی عہدوں سے کوئی لگاؤ نہ رہا، طبیعت اچاٹ ہوئی اور عبادت و ریاضت میں زندگی گذارنے لگے اور انہی پُر نور لمحات میں وصال فرمایا۔

مولانا شاہ احمد رضا کے والد ماجد مولانا شاہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کی بلند مرتبت علمی اور صاحب کرامت ہستی تھی جسے جملہ علوم و فنون میں کمال حاصل تھا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمت کی تربیت اس نہج پر فرمائی کہ نخرروزگار بنے خلق خدا کی ہدایت و راہنمائی اس انداز سے فرماتے کہ عقائد و اعمال خود بخود درست ہوتے چلے جاتے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصانیف کی طرف بھی راہوار قلم چلاتے رہے۔ شرعی مسائل پر بڑی گہری نظر تھی۔ قرآنی آیات کی تفسیر اور احادیث کی تشریح کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ عشق رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم آپ کی تصانیف سے عیاں ہے۔ تفسیر سورہ الم نشرح بڑی شرح وبسط سے قلم بند فرمائی، سرور القلوب، جواہر الایقان کے علاوہ آپ کی کئی اور بھی قابل قدر تصانیف یادگار ہیں۔ تمام عمر تبلیغ، تدریس اور تصانیف میں گزاری اور بعد از وصال بریلی شریف کے بڑے قبرستان میں جگہ پائی۔ کاش کہ کوئی صاحب قلم ان گرامی قدر ہستیوں کے مزارات کے بارے بھارت سے باہر بسنے والے عقیدت مندان اعلیحضرت کو واضح معلومات بہم پہنچائے۔

ولادت اعلےٰ حضرت قدس سرہ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ / ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ ظہر کے وقت بریلی میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نام "محمد" اور تاریخی نام المختار ہے جب کہ جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمۃ نے احمد رضا خاں سے موسوم فرمایا۔

تعلیم چار برس کے تھے کہ قرآن کریم ناظرہ ختم کیا۔ منشعب وغیرہ مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھی۔ مولانا ابوالحسین نوری مارہروی اور علامہ عبدالعلی رام پوری سے بھی استفادہ کیا۔ والد ماجد مولانا نقی علی خاں نے بھی خصوصی توجہ سے نوازا۔

تقریباً چودہ برس کی عمر تک آپ نے تمام مروجہ علوم پر دسترس حاصل فرما کر ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ ہجری کو فارغ التحصیل ہوئے۔ اسی روز والد ماجد کے ارشاد پر فتویٰ نویسی کی ابتدا فرمادی۔ بڑے ہوئے تو ایک ماہ کی قلیل مدت میں مکمل قرآن کریم حفظ کر کے خداداد قوت حافظہ کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ کے بعد آج تک کوئی ایسا خوش قسمت انسان سننے میں نہیں آیا جس نے اتنی قلیل مدت میں قرآن کریم حفظ فرمالیا ہو۔

ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم ۝

۱۲۹۴ھ حضرت شاہ سید آل رسول مارہروی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور دو مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت پائی۔

سیاسی رہنمائی برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سلطنت مغلیہ کے آخری نشان بہادر شاہ ظفر کو انگریز نے رنگون میں قید کر دیا۔ پھر انہوں نے برصغیر پر مسلط ہو کر مسلمانوں پر حصول معاش کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ ہندو اور انگریز تہذیب کے اثرات مسلمانوں کے دینی عقائد پر غلبہ پا رہے تھے۔ اسلامی زندگی کا ہر پہلو مجروح اور مفلوج ہو رہا تھا۔ انگریزوں کے خلاف فتویٰ دینے پر حق پرست علماء کرام کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور باقی ماندہ حضرات جن میں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ حریت پسند مجاہد بھی شامل تھے۔ دریائے شور جزیرہ انڈیمان کی صعوبتیں جھیلنے کے لئے بھیج دیئے گئے۔ اس یاس انگیز عالم میں بہت سے مفاد پرست مسلمانوں نے انگریز کی چوکھٹ پر سر جھکایا اور ہندو کی حاشیہ برداری میں فخر محسوس کیا۔ مسلمانوں کی اس کسمپرسی کی حالت میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلم کے زور سے مسلمانوں کے دل میں جذبہ حمایت و حمیت دین بیدار کیا اور جب ہندو مسلم اتحاد کی تحریک زور پکڑ گئی تو آپ نے قوم کو ہندوؤں کے ہتھکنڈوں سے خبردار کیا اور بار بار آگاہ کیا۔ آخر میں اس مسئلہ پر فیصلہ کن کتاب بنام "المحجۃ المؤتمنہ" لکھی جس میں واضح کیا کہ ہندو مسلمان کا دوست کبھی نہیں ہو سکتا۔

غرض کہ فاضل بریلوی اپنے زورِ قلم سے مسلمانوں کو متنبہ کرتے رہے کہ انگریز کی سیاست اور ہندو
کی دولت تمہیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی اگر تمہیں اپنی آن اور مذہبِ اسلام کو بچانا ہے تو اپنے قلب میں سیدنا
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت پیدا کرو۔ خلوصِ دل سے قرآن کریم اور احادیثِ رسول کریم
پر عمل گامزن ہو جاؤ۔ ان اخلاقی اصولوں کی بدولت ہی ترقی کر کے اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہو" گاندھی ۔
افریقہ سے واپسی پر دیکھتا ہے کہ ہندوستان میں دو سیاسی جماعتیں قدم جما رہی ہیں۔ ایک کے قائد اگر
محمد علی جناح ہیں تو دوسری جماعت کی قیادت ہندو کے ہاتھ میں ہے۔ کانگریس جو ہندوؤں کی جماعت
تھی وہ نیم مردہ حالت میں تھی۔ اسے طاقت ور بنانے کے لئے گاندھی نے مسلمانوں کی طرف دوستی
کا ہاتھ بڑھایا اور ڈرامائی انداز میں نہ صرف تحریکِ خلافت کی تائید کی بلکہ کانگریس کی طرف سے عملی
امداد کا اعلان بھی کرا دیا۔ یہ شاطر ہندو سیاستدان جانتا تھا کہ انگریز، ہندو مسلمان کا مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ
ان کے ساتھ مل کر ڈیوائیڈ اینڈ رول کی پالیسی پر عمل کیا جائے، مسلمان کو مسلمان کے ہاتھ سے کٹوایا جائے
اس نے تحریکِ خلافت میں شامل ہوتے ہی ترکِ موالات کی تحریک شروع کی اور اس تحریک کا فیصلہ
نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی کی خلافت کانفرنس کے اجلاس میں کیا گیا۔ ترکِ موالات کے پروگرام کے ساتھ
ساتھ ہجرت سے نیشنلسٹ علماء نے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد، عطاء اللہ بخاری، حسین احمد مدنی، احمد علی
لاہوری، عبید اللہ سندھی، مفتی کفایت اللہ اور دیگر علماء بھی شامل تھے، مہاتما گاندھی کے اشارے
پر یہ طے کیا کہ مسلمان ہندوستان سے افغانستان اور دیگر اسلامی ممالک کو ہجرت کر جائیں، تاکہ سندھ،
پنجاب اور صوبہ سرحد میں مسلمانوں کے اکثریتی صوبے اقلیت میں تبدیل ہو جائیں۔ اس اسکیم سے اسلامیان
صوبہ پنجاب، سندھ اور سرحد کی جو درگت بنی وہ تاریخ سے واقف حضرات بخوبی جانتے ہیں۔
مسلمانوں کو مالی اور جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ان عاقبت اندیش لوگوں نے گاندھی کے اس پروگرام کو
عملی جامہ پہنانے کی سر توڑ کوشش کی وہ کہتے تھے کہ قومیں "اوطان" سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں
دیوبند کے شیخ الحدیث نے فرمایا کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں بعد میں مسلمان۔ انہی دنوں مولانا ابوالکلام
آزاد نے گاندھی کے ایماء پر قرآن مجید کی تفسیر لکھی جس میں اکبر کے دینِ الٰہی کی تجدید کرتے ہوئے

"... قرآن کریم نے نہ صرف یہ بتایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذہب
سچے ہیں۔ اس (قرآن کریم) نے کہا کہ دین خدا کی بخشش ہے اس کے لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم
یا جماعت ہی کو دیا گیا ہو اور دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔"

(ترجمان القرآن جلد اول صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ ہندوستان)

"اصل دین کیا ہے۔ ایک خدا کی پرستش اور نیک عمل زندگی یہ کسی ایک گروہ کی میراث
نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو نہ مل سکے۔ یہ تو تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں۔"

(ترجمان القرآن صفحہ ۴۷) سے

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں — ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب — کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

(علامہ اقبال)

کانگریس سے مل کر اب اردو زبان کو ختم کرنے کے لئے گاندھی جی نے واردھا اسکیم تیار
کی۔ مسلمانوں کے قلب و نظر اور تمدن پر چھری پھیرنے کا پروگرام بنایا۔ "اردو" کو دیوناگری رسم الخط
میں تحریر کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے رفقاء
کی طرف سے اس اسکیم کی حمایت میں بیان دلوایا کہ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ کانگریس بھی زبان کو
رواج دے رہی ہے وہ اردو کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے وہ اردو جو سادہ سلیس ہو اور عربی فارسی
کے غیر مانوس الفاظ سے مبرا ہو۔ ہندوستان میں رائج کی جائے گی۔ اس کا نام اردو کی بجائے
ہندوستانی رکھا جائے گا۔

مذہب و تمدنِ اسلام کو ہندوستان سے ختم کرنے کا جو پروگرام بنایا گیا تھا اس کی ایک جھلک
آپ کو دکھائی جا چکی ہے۔ یہ زہرِ قاتل گاندھی اور وطن پرست علماء نے غیر محسوس طور پر مسلمانوں
کے جسدِ قومی میں آہستہ آہستہ داخل کیا تھا لیکن اس کے ساتھ انہوں نے کانگریس نواز مسلم جماعتوں
کو اپنا ہم نوا بنا کر تحریکِ پاکستان کی کھل کر مخالفت کی اور یہ پروگرام ابھی تک جاری ہے جس کا

اثر پاکستان کو پچیس سال گزر جانے کے بعد بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ "اردو" کی مخالفت اور صوبائی تعصب اسی پروگرام کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔

اکبر کے دین الٰہی کا فتنہ نہایت مہلک و خطرناک تھا جسے مٹانے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی سرہندی اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہما اللہ اٹھے۔ جب گاندھی اور اس کے حاشیہ بردار نیشنلسٹ علماء نے اکبر کے دین الٰہی کو ہندوستان میں پھر زندہ کرنے کی کوشش کی تو اس وقت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء اس فتنہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے زعماء آگاہ اس ناپاک منصوبہ کے خلاف علم بلند نہ کرتے تو اس فتنہ کے سیلاب میں برصغیر کے سادہ لوح مسلمان خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے۔ جب ہم آپ کی سیاسی راہنمائی کا تجزیہ کرتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی مرکز دائرہ علوم ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے بھی رہنمائے قوم اور ناخدائے کشتی ملت ثابت ہوتی ہے۔ آپ نے دو قومی نظریہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ہر خاص و عام کے سامنے پیش کرتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف انتہائی مؤثر علمی و عملی جہاد فرمایا۔ الغرض آپ نے وہی فریضہ ادا کیا جو حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہما اللہ نے اپنے وقت میں انجام دیا تھا۔ تحریک ترک موالات جو گاندھی کے اشارے پر شروع ہوئی۔ اس کے متعلق حکم شرعی بیان کرتے ہوئے آپ نے ۱۹۲۰ء میں دوامِ العیش کے نام سے جو کتاب لکھی، وہ مسلمانوں کے لئے مینارۂ نور ثابت ہوئی۔ حتیٰ کہ قائداعظم محمد علی جناح جیسے راہنما جو پہلے کانگریس میں تھے۔ اس کتاب کی اشاعت کے دس سال بعد دو قومی نظریہ کی طرف مائل ہو گئے۔ انصاف سے کام لیا جائے تو کانگریسی سیاست کے دور میں دو قومی نظریہ کو پیش کرنے والے فاضل بریلوی ہی تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "فاضل بریلوی اور ترک موالات" مؤلفہ پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی شائع کردہ مرکزی مجلس رضا لاہور۔

فقہی مقام

علم فقہ میں جو تبحر و کمال آپ کو حاصل تھا اسے عرب و عجم کے علماء کرام نے قدر کی نگاہ سے دیکھا جس پر اس کے فتاویٰ شاہد عادل ہیں۔ اجمالی طور پر دو لفظوں میں سمجھئے۔

آپ اردو و مصری کے دنیا بھر میں ایک عظیم المرتبت مفتی تھے جس کی طرف جہاں بھر کے علماء کی نظریں اٹھتی تھیں، بلاشبہ آپ کی ذات گرامی دنیائے اسلام کے مینار نور کی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ کے مخالفین کو بھی یہ بات کہے بغیر کوئی چارہ نہ تھا کہ فقہ میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا کوئی ہمسر نہیں۔

المختصر آپ کی عظیم شخصیت پر حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال جو آپ کے معاصرین میں تھے فرماتے ہیں: "ہندوستان کے دور آخر میں فاضل بریلوی جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کے فتوے ان کی ذہانت، جودت، طبع کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں شاہد عادل ہیں۔ گویا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے دور کے امام ابو حنیفہ تھے" (مقالات ص ۲) یہ حقیقت ہے کہ آپ کی خدمات جلیلہ کو دیکھتے ہوئے اکابر اسلام نے آپ کو اپنے وقت کا مجدد برحق تسلیم کیا ہے۔ مادحین کے علاوہ مخالفین بھی آپ کی فقہی تحقیقات پر سر دھنتے اور خراج تحسین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ آپ کی تحقیقات پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ آپ کے مخالفین آپ کے تبحر علمی کے مداح ہیں، چند اقتباسات درج ذیل ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

• اگر اللہ تعالیٰ ہندوستان میں احمد رضا بریلوی کو پیدا نہ فرماتا تو ہندوستان میں حنفیت ختم ہو جاتی۔ (مولانا سید زکریا شاہ بجنوری والد سید محمد یوسف شاہ بجنوری) حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں ہم لوگ سخت غلط فہمی میں رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور خاص کر فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے ہاں پائی ہے وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے (مولانا غلام علی نائب مولانا مودودی)

(ہفت روزہ شہاب ۲۵ نومبر ۱۹۶۲ء)

• مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرحوم اس دور کے صاحب علم و نظر علماء مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع اور گہری تھی۔ مولانا نے جس نظر اور تحقیق کے

کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جواب تحریر فرماتے ہیں۔ اس سے ان کی جامعیت، علمی تبحر، فقہی جزرسی، استحضار، ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے کمالات، معتقدات، فتاویٰ مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔

(معارف، ستمبر ۱۹۴۹ء)

تبحرِ علمی

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی حضرت امام ابو حنیفہ (امام اعظم) کے مقلد ہونے کی حیثیت سے اپنے آپ کو ہر قول کا پابند سمجھتے تھے۔ آپ کا ساری عمر یہ اصول رہا کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد و اقوال کی موجودگی میں کبھی بھی امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر علیہم الرحمۃ ایسے جلیل القدر تلامذہ امام اعظم کے اقوال کی طرف رجوع نہ فرمایا بلکہ آپ نے اس پر ایک رسالہ "العلوم بان الفتویٰ مطلقا علی قول" تحریر فرما کر اس میں اپنی دلی عقیدت کا اظہار کیا اور اس رسالہ میں حنفی مسلک کی ایسی وضاحت فرمائی جو دوسری کتابوں میں تلاش کئے نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ آپ کے فتاویٰ رضویہ دیکھتے ہوئے آپ کے غیر معمولی تبحر علمی کا اقرار کرنا پڑتا ہے حتیٰ کہ غیر بھی اپنی تصانیف و تالیفات میں آپ کی اعلیٰ شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "حق بات یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی فقہ حنفی کے امام ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کے شروع میں جو عربی خطبہ تحریر ہے وہ آپ کے تبحر علمی کا بیّن ثبوت ہے۔ حضرت مولانا شاہ کرامت اللہ خاں نے کئی بار اپنی تقاریر میں فرمایا کہ مولانا احمد رضا خاں وہ ہستی ہیں کہ علماء عرب اور ہند ان کے محتاج ہیں۔ آپ نے سر تصنیف قلم برداشتہ لکھی۔ بڑی بڑی ضخیم کتابیں ہفتوں میں تالیف فرمائیں اور خداداد قوت حافظہ میں کبھی لغزش نہ آئی اور نہ کبھی آپ کا کوئی حوالہ غلط ثابت ہوا۔ آپ کی مبارک شخصیت کا وہی انسان کو اندازہ ہو سکتا ہے جو آپ کی تصانیف و تالیفات کا خلوص و عقیدت سے مطالعہ کرے اور آپ کی روز مرہ زندگی کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں پرکھے۔ آپ نہ صرف فقہ میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے بلکہ علم منطق، فلسفہ اور ہیئت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ بیس ۲۰ سال کی عمر میں حضرت مولانا عبد الحق خیر آبادی سے منطق کی مشہور کتاب قاضی مبارک علی اور تہذیب پر بحث کی اور یہ سلسلہ گھنٹوں جاری رہا۔ مولانا عبد الحق کو آپ کی علمی شخصیت کا اعتراف کرنا پڑا۔ آپ

کی علمی دلچسپی یہیں تک محدود نہ تھی بلکہ آپ کو علم ہیئت میں اتنی دسترس حاصل تھی کہ آپ کے ہم عصر علماء اس فن میں آپ سے تلمذ کی آرزو لئے حاضر ہوتے۔ یہاں یہ ذکر بھی بے حد ضروری ہے کہ علم نجوم کے مشہور علماء نے آپ کی خداداد قابلیت کا لوہا مانا ہے۔ مولانا غلام حسین جو اپنے وقت کے ماہر علم نجوم تھے۔ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے حساب کے مطابق لاہور اور دہلی میں دھماکے ہوں گے لیکن آپ نے اپنے جائزہ کے بعد کہا نہیں، سلطنت میں تبدیلی آنے گی۔ اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد مولانا حسین تشریف لے گئے پھر چند ماہ کے بعد مولانا غلام حسین حاضر ہوئے تو اس وقت تبدیل ہو چکا تھا۔ ملکہ وکٹوریہ کی جگہ ایڈورڈ ہفتم لے چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ مولانا صاحب! دیکھئے دھماکے نہیں ہوئے بلکہ حکومت میں تبدیلی ہوئی ہے۔ مولانا غلام حسین نے اعتراف کیا کہ اس فن میں بھی آپ کو کمال حاصل ہے۔

درس و تدریس

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جب تعلیم سے فراغت حاصل کی تو اس وقت کئی نئے نئے فرقوں نے انگریزوں اور ہندوؤں کی پشت پناہی میں جنم لیا۔ آپ سے پہلے علمائے حق حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا فضل رسول بدایونی اور حکیم مفتی ولی اللہ فرخ آبادی ان فرقوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے چلے آ رہے تھے پھر آپ نے اُن کی تحریک کو سنبھالا دیا۔ اولاً آپ نے درس و تدریس کو اہمیت دی۔ اور پھر تصنیف و تالیف کی طرف رجوع کیا۔ جب آپ نے بریلی شریف میں درس گاہ کی بنیاد رکھی اس وقت اس علاقے میں تمام مدارس جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی نذر ہو چکے تھے۔ تشنگان علم کے لئے ضروری تھا کہ کوئی مشرب تدریس نظر آئے۔ چنانچہ آپ نے بریلی شریف میں علوم دینیہ کی عظیم درس گاہ "مصباح التہذیب" کو زینت بخشی اور پوری تندہی سے اسے پروان چڑھانے لگے۔ اس زمانے میں آپ کے درس کا بہت شہرہ تھا۔ برصغیر پاک و ہند کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک سے طلباء آپ کی طرف رجوع کرتے اور علوم و فنون کے پیکر بن کر اکناف و اطراف میں انوار علم سے دوسروں کو منور کرنے کے لئے پھیل گئے۔ اس شہرۂ آفاق درس گاہ سے ہزاروں عالم فارغ التحصیل ہوئے۔ اختصار کے

پیش نظر چند اکابر علماء کرام کے اسمائے گرامی درج کئے جاتے ہیں۔ بعد میں منظر اسلام کے نام سے ۱۳۲۲ھ میں مدرسہ قائم کیا جو بفضلہٖ و کرمہٖ تعالیٰ بڑی کامیابی سے آج تک بھی چل رہا ہے۔

۱۔ حضرت مولانا نواب سلطان احمد خاں ۲۔ استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب (برادر اوسط حضرت بریلوی) ۳۔ حضرت مولانا سید امیر احمد صاحب۔ ۴۔ حضرت مولانا یقینی صاحب۔ ۵۔ حضرت مولانا حافظ سید عبد الکریم صاحب ۶۔ حضرت مولانا محمد منور (چاٹ گامی) ۷۔ حضرت مولانا الحاج سید نور احمد چاٹ گامی ۸۔ حضرت مولانا واعظ الدین صاحب ۹۔ حضرت مولانا سید عبد الرشید صاحب ۱۰۔ حضرت مولانا سید شاہ غلام محمد صاحب ۱۱۔ حضرت مولانا سید حکیم عزیز غوث صاحب ۱۲۔ حضرت مولانا نواب مرزا صاحب ۱۳۔ حضرت مولانا عبد الاحد صاحب ۱۴۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب ۱۵۔ حضرت مولانا رحیم بخش قریشی صاحب ۱۶۔ حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف ۱۷۔ حضرت مولانا سید محدث صاحب کچھوچھوی۔

آپ نے نامور تلامذہ تحریک بریلی کو ایسا عروج بخشا کہ برصغیر میں حنفیت انہی کے دم سے زندہ ہے ورنہ ابوالفضل اور فیضی کے پیرو پاک و ہند میں حشرات الارض کی طرح پیدا ہو چکے تھے۔ جو اکبر کے دین الٰہی کو دوبارہ نافذ کرنا چاہتے تھے مگر آپ کے قلم کے سامنے کسی کو سر اٹھانے کی مجال نہ رہی۔ آج بھی زمانہ پیکر احمد رضا کی تلاش میں ہے اور اسلامیان پاکستان اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ فاضل بریلوی ایمان و ایقان کو جلا بخشنے والی شخصیت کا ظہور فرمائے جس کے وجود مسعود سے پاکستان میں مقام مصطفےٰ کا تحفظ اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کی راہیں کھل جائیں اور پاکستان صحیح معنوں میں پاکستان کہلانے کا مستحق ہو۔

نعت گوئی

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے نعت خواں حضرت بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مسجد نبوی میں منبر کا انتظام فرماتے تھے اور ان سے نعت سن کر انہیں داد تحسین سے نوازتے تھے۔ دور اول سے لے کر آج تک بڑے بڑے نعت گو عشاق نظر آتے ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی منفرد حیثیت ہے۔ اعلیحضرت

کے زمانہ میں بھی بکثرت نعت گو تھے مگر آپ نے نعت کو وہ مقام بخشا کہ اردو ادب میں جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کی نعتیں صرف جذبات کا اظہار نہیں بلکہ آیات قرآنی کی تفسیر اور احادیث نبوی کے مفہوم و مطالب پر مبنی ہیں جن میں شریعت حقہ کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ان حقائق کے باوجود یہ دیکھ کر ضرور دکھ ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے بلند پایہ کلام کو اردو شاعری کے تذکروں اور تاریخوں میں وہ مقام نہیں دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے لیکن میں فخر سے کہتا ہوں کہ جب تک فاضل بریلوی کے کلام کو تاریخ اور اردو ادب میں شامل نہ کیا گیا تو یہ خلا ہمیشہ محسوس کیا جائے گا۔ اب تو برصغیر پاک و ہند میں ہر مسلم کی زبان پر آپ کا نعتیہ کلام سنائی دیتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کی گونج ہر مذہبی جلسے میں اور برصغیر کے ہر ریڈیو اسٹیشن پر سنائی دیتی ہے اور یہ آواز اپنے دامن میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا والہانہ جذبہ رکھتی ہے اگر آپ کے کلام کو تاریخ اور اردو ادب میں جگہ نہ دی گئی تو مورخین اور ادیب حضرات پر خود تاریخ و ادب کو ان کی ناپاک جسارت پر شکوہ کرنا پڑے گا مگر یہ اعلیٰحضرت کے روح پرور کلام کی کرامت ہے کہ مورخین نے اپنی تالیفات و تصنیفات کو آپ کے کلام سے مزین کرنا شروع کر دیا ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب جو کہ ریاضی میں جرمنی اور انگلینڈ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی اسناد حاصل کر چکے تھے۔ عرصہ دراز سے اعلیٰ حضرت سے شرف نیاز کی سعادت حاصل کرنے کے مشتاق تھے چونکہ ڈاکٹر موصوف انگریزی وضع قطع کے مالک تھے۔ لہٰذا آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے میں کچھ جھجک سی محسوس کرتے تھے۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب (پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے توسل سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اعلٰی حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں مثلث، دو دائرے کی اشکال بنی ہوئی تھیں، ڈاکٹر موصوف کے سامنے پیش کیا جسے دیکھتے ہی آپ محو حیرت ہو گئے اور کہا کہ میں نے اس علم کو حاصل کرنے کیلئے کئی ممالک کا سفر کیا مگر مقصد کہیں سے حاصل نہ ہوا۔ اس بارے میں میں تو دو طفل مکتب سمجھتا ہوں اور کہنے لگے کہ آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے فرمایا کہ دیگر علوم کے ساتھ ساتھ یہ علم بھی اپنے والد ماجد کی نگاہ کرم سے پایا۔

حضرت مولانا رحیم بخش قریشی بی۔ اے۔ علیگ روایت فرماتے ہیں کہ جب ترک موالات کی تحریک زوروں پر تھی تو مولانا محمد علی جوہر اور ان کے رفقاء علی گڑھ یونیورسٹی ڈاکٹر ضیاء الدین احمد سے ملاقی ہوئے اور انہیں مشورہ دیا کہ یونیورسٹی کے لئے انگریزوں کی امداد کے دست نگر نہ ہوں اور مسلمانوں کا یہ ادارہ بھی ترک موالات میں شامل ہو لیکن ڈاکٹر ضیاء الدین احمد نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے چھپے ہوئے فتوے کی ایک کاپی مولانا محمد علی جوہر کی خدمت میں پیش کی اور کہا کہ مولانا! آپ اس فتویٰ کا جواب پیش کریں تو انہوں نے کہا کہ میں اس معاملہ میں سوچوں گا۔ مولانا محمد علی جوہر اور ان کے رفقاء اس کا جواب کسی طرح پیش نہ کر سکے اور یہ قومی ادارہ متحدہ قومیت اور ترک موالات کے سیلاب کی زد میں آنے سے محفوظ رہا۔ مولانا رحیم بخش قریشی فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر ضیاء الدین اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی بہت تعظیم و تکریم کرتے اور انہی کی قابل قدر قیادت میں علی گڑھ یونیورسٹی کا رجحان تحریک پاکستان کی طرف ہوا۔ اگر کوئی وطن پرست اس کا منتظم ہوتا تو یہ ادارہ بھی دیو بند، ندوۃ العلماء اور جامعہ ملیہ کی طرح تحریک پاکستان کے خلاف ہوتا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد پر اعلیٰ حضرت بریلوی کی صحبت کی بدولت دو قومی نظریہ کا پورا رنگ غالب تھا اور یہ حقیقت ہے کہ آپ نے اور پروفیسر سلیمان اشرف بہاری نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو حقیقتاً ایک قومی ادارہ بنا دیا۔

ترجمہ قرآن پاک مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے رفقاء اور مریدین کی فرمائش پر قرآن حکیم کا جو ترجمہ فرمایا۔ اس کی مثال برصغیر پاک و ہند میں نہیں ملتی۔ کلام پاک

کے بیسیوں اردو تراجم چھپ چکے ہیں لیکن جو مقام و مرتبہ آپ کے ترجمہ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس ترجمہ کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ تاج کمپنی نے اس ترجمہ کو مختلف انداز اور کئی اقسام میں کئی بار شائع کیا جس کی اشاعت لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ تفصیل کے لئے تاج کمپنی کے مینیجر کا انٹرویو ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

ترجمہ اعلیٰ حضرت کی بے مثال کامیابی و مقبولیت تھوڑی سی مدت میں دو لاکھ گیارہ ہزار کی اشاعت ہو۔ نمائندہ "رضائے المصطفیٰ" کا مینیجر "تاج کمپنی" سے انٹرویو۔ صرف چند سال پہلے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا ترجمہ مبارکہ مسمٰی بہ "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" کی اشاعت تاج کمپنی نے شروع کی۔ اس سے پہلے تاج کمپنی کئی اور ترجمے شائع کر چکی ہے مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ترجمہ مبارکہ نے بے شمار تراجم کی موجودگی میں اور سب سے آخر میں شائع ہونے کے باوجود بفضلہٖ تعالیٰ و برکتہ حبیبہ علیہ التحیۃ و الثناء نہایت قلیل مدت میں حیرت انگیز مقبولیت و وقعت حاصل کی۔ صورت حال یہ ہے کہ تاج کمپنی نے مختلف سائزوں میں دس خوبصورت اقسام میں ترجمہ اعلیٰ حضرت شائع کیا اور ایک ایک قسم کے کئی کئی ایڈیشن شائع کئے۔ جن کا ہدیہ پندرہ روپے سے لے کر ڈیڑھ سو روپے تک رکھا گیا لیکن اس کثرت اشاعت کے باوجود تمام اقسام ایک وقت میں حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے اس لئے ہر قسم کے ایڈیشن پر شائع ہونے اور ہدیہ و قیمت کے مسلسل بڑھ جانے کے باوجود بازار میں آتے ہی ترجمہ مبارکہ کی تازہ اشاعت ختم ہو جاتی ہے اور پھر آئندہ ایڈیشنوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے ترجمہ اعلیٰ حضرت کی اشاعتی سلسلہ میں نمائندہ "رضائے مصطفیٰ" نے جب "مفتی حبیب الرحمٰن صاحب مینیجر تاج کمپنی سے انٹرویو لیا تو انہوں نے مختلف اقسام کے نمبروں کے لحاظ سے حسب ذیل اعداد و شمار فراہم فرمائے۔ جن کی مجموعی تعداد دو لاکھ گیارہ ہزار تک پہنچتی ہے۔

نمبر شمار	نمبر ترجمہ	تعداد اشاعت	ہدیہ
۱	۲۲	۷۵۰۰۰	۲۰/-
۲	۲۲پی	۲۵۰۰۰	۲۲/-
۳	۲۲خاص	۱۰۰۰۰	۲۵/-
۴	۲۲مصری	۱۰۰۰۰	۲۴/-
۵	۲۳/ نیوز	۲۵۰۰۰	۱۵/-
۶	۲۷۷	۲۵۰۰۰	۳۵/-
۷	۲۷۸	۱۰۰۰۰	۳۰/-
۸	۲۸۰	۱۰۰۰	۱۵۰/-
۹	۲۸۱	۵۰۰۰	۵۰/-
۱۰	۳۶۳	۲۵۰۰۰	۱۵/-
	کل تعداد	۲۱۱۰۰۰	

اس کے بعد متعدد قسم کے مزید ایڈیشن بھی شائع ہوئے جن کی تعداد اس سے کئی گنا بڑھ چکی ہے یاد رہے کہ ترجمہ اعلٰے حضرت کی یہ دو لاکھ گیارہ ہزار کی اشاعت چند سالوں میں صرف تاج کمپنی سے ہوئی ہے۔ تاج کمپنی کے علاوہ بریلی شریف، مراد آباد، نوری کتب خانہ لاہور، مقبول عام کتب خانہ لاہور۔ مکتبہ رضویہ کراچی، تعلیمی کتب خانہ گجرات اور دیگر مقامات۔۔ سے اس ترجمہ مبارکہ کی کثرت اشاعت تاج کمپنی کی اشاعت کے علاوہ ہے۔

اب پاکستان کی ایک اور مشہور فرم چاند کمپنی لاہور نے کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کو ایک نئے اسلوب اور بڑی شان سے تین چار قسموں میں شائع کرکے عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

تحریک پاکستان اور آپ کے رفقاء

اعلٰے حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جس نظریہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس کے اثرات ربع

صدی کے بعد منظر عام پر آئے اور جو کچھ زبان سے فرمایا تھا وہ سچ ہو کر رہا۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال جیسے اکابر ابتدا میں ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ لیکن بعد میں انہوں نے اپنی سیاست کا رخ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے دو قومی نظریہ کی طرف موڑلیا اور یہ کہنے لگے کہ برصغیر میں ہندو مسلم دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ان میں اتحاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بالآخر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرار داد پاکستان منظور کرکے مسلمانوں کے لئے ایک الگ ملک کا مطالبہ کر دیا۔

اس بارے میں آپ کے رفقاء حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حضرت محدث اعظم کچھوچھوی امیر ملت حضرت سید پیر حافظ جماعت علی شاہ علی پوری، حضرت پیر سید لوٹے شاہ صاحب مدراسی، حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، حضرت سید ابو الحسنات پیر آف مانکی شریف، حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی اور حضرت مفتی مولانا عبد الغفور ہزاروی، شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی ملک کے کونے کونے میں پہنچے اپنی تقریروں اور تحریروں سے قوم کو بیدار کیا۔ ان حضرات کی کوششوں سے بنارس میں کانفرنس ۲۷ تا ۳۰، اپریل ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوئی جو برصغیر پاک و ہند پانچ ہزار اکابر علماء و مشائخ و عظام کے علاوہ تقریباً دو لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ جنہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں کانفرنس کے شرکا سے ہاتھ اٹھا کر پاکستان کی کامیابی کے لئے دعا کی لیا۔ وہیں سے پیران طریقت اور علماء حق کا ایک وفد صوبہ سرحد روانہ ہوا اور عوام کی رائے معلوم کی رائے معلوم کی تو فضا کو پاکستان کے حق میں پایا۔ حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو اللہ تبارک تعالیٰ نے ایسی بصیرت سے نوازا تھا۔ جس سے برصغیر کے صحیح راہنما ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے۔ آپ نے ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد کے نتائج کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ دلائل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (المحجۃ المؤتمنہ)

وفات

آپ بتاریخ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) بروز جمعۃ المبارک بریلی شریف واصل بحق ہوئے۔

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

خاندان

آپ کے والد ماجد کا نام سید نذر الدین شاہ تھا۔ جن کا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ حسنی حسینی سید ہیں۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت سید میراں شاہ قیس قادری بغداد سے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ بہت سے مقامات سے ہوتے ہوئے قصبہ ساڈھورہ ضلع انبالہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اس علاقے میں تبلیغ وارشاد کا سلسلہ جاری کیا اور ہزاروں افراد کو اپنے فیوض باطنی سے سرشار کیا غیر مسلم بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مشرف بہ اسلام ہونے کی سعادت حاصل کرتے۔ آپ کے بزرگوں میں سے سید روشن دین اور ان کے بھائی سید رسول شاہ قصبہ ساڈھورہ سے حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے واپسی پر بغداد شریف میں حضرت غوث اعظم اور دیگر اولیائے کرام کے مزارات کی زیارت سے مستفیض ہوئے پھر شہر راولپنڈی کے قصبہ گولڑا شریف میں علاقے کے عوام کی خواہش پر یہیں کے ہو کر رہ گئے اور اشاعت اسلام و تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینے لگے۔ علاقہ بھر کے لوگ ان سے ہدایات حاصل کرتے اور بہت سے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ حضرت سید روشن دین شاہ کی اولاد میں سے ہیں۔

پیدائش

آپ اور اعلیٰ حضرت بریلوی (رحمہا اللہ) کی پیدائش ایک ہی سن یعنی ۱۸۵۶ء میں ہوئی۔ یہ دونوں نورانی شخصیتیں برصغیر پاک وہند میں آفتاب و ماہتاب کی

طرح چمکیں اور خطہ پاک وہند میں جتنی تحریکیں اسلام کے خلاف اٹھیں۔ ان دونوں بزرگوں نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جس کے باعث فتنۂ ہنود اور فتنۂ متحدہ قومیت (نیشنلسٹ علماء کا نعرہ تھا۔ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی۔ آپس میں ہیں بھائی بھائی۔) اور مرزائیت۔ غیر مقلدیت اور وہابیت ہندوستان اور پاکستان میں دم توڑ کر رہ گئی۔

تعلیم

حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت پیر نذر الدین اور حضرت پیر فضل الدین سے حاصل کی۔ قرآن مجید اور صرف و نحو کی کتب کے مطالعے کے بعد آپ کی تعلیم کے حصول کے پیش نظر ضلع ہزارہ کے ایک فاضل اتالیق کی خدمات حاصل کیں۔ جو اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ انہوں نے حضرت پیر سید مہر علی شاہ کی تعلیم و تربیت میں خوب دلچسپی لی۔ ایک دن استاد محترم نے کہا کہ شاہ جی! کل یہ سبق اچھی طرح یاد کر کے آنا۔ ورنہ آپ پر سختی کی جائے گی۔ شاہ صاحب راستے میں کتاب دیکھتے آرہے تھے کہ اتفاقاً اس عبارت کا ورق غائب تھا۔ شاہ صاحب بڑے پریشان ہوئے۔ آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سوچنے لگے اس لمحے آپ پر نیند کا غلبہ ہوا اور سو گئے اور خواب میں دیکھا کہ ایک سبز رنگ کی چمک پیدا ہوئی جس میں کتاب کے گم شدہ ورق کی عبارت مرقوم تھی۔ آپ نے یہ عبارت اچھی طرح ذہن نشین کر لی اور دوسرے دن استاد صاحب کو بالکل رواں پڑھ کر سنا دی اور کہا حضرت جی! یہ عبارت کتاب میں نہیں ہے۔ اس پر استاد صاحب بہت حیران ہوئے اور پوچھنے لگے کہ پھر تم نے یہ عبارت کیسے یاد کر لی؟ چنانچہ استاد صاحب نے اس کتاب کا دوسرا نسخہ منگوا کر دیکھا تو عبارت لفظ بہ لفظ درست تھی۔ استاد نے فرمایا "شاہ جی! آپ پڑھے پڑھائے ہیں اب آپ کو میری ضرورت نہیں۔ آپ میرے لئے دعائے خیر فرمایا کریں۔" اس کے بعد آپ کیمبل پور کے قصبہ بھوئی میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سے پڑھنا شروع کیا۔ نصاب مروّجہ کا کافی حصہ وہیں پڑھا۔ اس کے بعد موضع انگہ ضلع

شاہ پور میں حضرت مولانا سلطان محمود کے ہاں تشریف لے گئے جہاں کچھ عرصہ زیر تعلیم رہنے کے بعد ہندوستان کا رخ کیا۔ ریاضی مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے پڑھی اور مولانا احمد علی سہارنپوری کے ہاں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ بخاری و مسلم شریف انہی سے پڑھی ۔ دوران تعلیم جب کسی مسئلہ پر بحث ہوتی تو آپ ایسے علمی نکات بیان فرماتے کہ حاضرین کو آپ کی علمی قابلیت کی داد دینا پڑتی ۔ رفتہ رفتہ آپ کے علم و فضل، نیک نامی، حسنِ اخلاق اور راست بازی کا شہرہ تمام برصغیر میں پہنچ گیا۔ جس کے باعث لوگ دور دور سے رشد و ہدایت حاصل کرنے کے لئے آپ کے آستانہ پر حاضر ہونے لگے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ بعد از نماز مغرب اپنے حجرہ میں محو مطالعہ تھے کہ عشاء کی اذان ہو گئی مگر انہماک کا عالم تھا کہ پتہ تک نہ چلا اور رات گذر گئی یہاں تک کہ صبح کی اذان ہو گئی مگر آپ کو یہی گمان ہوا کہ اذان عشاء کی ہوئی ہے۔ سبحان اللہ! کیا محویت ہے، عالم بیخودی میں کئی راتیں ایسے ہی گذر جاتیں کہ آپ یہی سمجھتے کہ ابھی ایک لمحہ گذرا ہے اور اس پر بھی افسوس کرنے لگتے۔ ؛

بیعت | آپ جب تعلیم سے فارغ ہوئے تو مرشد کامل کی تلاش شروع کی۔ آپ کی نگاہِ حق شناس دو روحانی شخصیتوں پر پڑی۔ ایک حضرت اخون صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلہ قادریہ میں غوثِ وقت تھے اور دوسرے حضرت قبلہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے استاد محترم مولانا سلطان محمود بھی حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے بیعت تھے۔ آپ نے بھی سیال شریف کا سفر اختیار کیا اور شمس العارفین حضرت شمس الدین سیالوی قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور آپ کو مرشد کی طرف سے سلسلہ چشتیہ کا خرقۂ خلافت عطا ہوا اور سلسلہ قادریہ سے آپ کو حضرت پیر فضل الدین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خرقۂ خلافت ملا تھا۔

تبحر علمی | تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی شخص جملہ اوصاف سے متصف

نہیں ہوتا۔ ایک اچھا خطیب، اچھا مصنف اور اچھا شاعر اچھا ادیب نہیں ہو سکتا اگر کوئی ان تمام خوبیوں کا حامل ہے تو ادب سیاست اور منطق سے اسے رغبت نہ ہوگی۔ لیکن حضرت پیر مہر علی شاہ (گولڑوی) میں یہ تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ ایک بار جب آپ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو ان دنوں مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مثنوی شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ اتفاقاً حضرت حاجی صاحب کے درس میں تشریف لے گئے۔ اس وقت درس میں وصال و فراق کی بحث جاری تھی۔ ایک طالب علم کے دماغ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی۔ حضرت حاجی صاحب نے تین بار تقریر فرمائی اور سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس کی تشفی نہ ہوئی۔ اس پر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب (گولڑوی) نے کہا کہ اگر مجھے اجازت ہو تو میں منشاء اعتراض یعنی طالب علم کو بات سمجھ نہ آنے کی وجہ بیان کروں۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ اس میں کیا حرج ہے۔ ؟ چنانچہ آپ نے کہا کہ وصال تقاضا کرتا ہے۔ فصل کا اور فصل دوئی سے پیدا ہوتی ہے مگر توحید وجودی میں دوئی کا کیا دخل ہے کہ وصل اور فصل کا سوال پیدا ہو۔ حضرت حاجی صاحب نے یہ تقریر سن کر فرمایا۔ اس کا جواب بھی آپ ہی دیں۔ تو آپ نے کہا کہ مقام فنا سے قبل سالک کو جو اپنا وجود خیال میں آتا ہے۔ یہی فراق ہے اور اس کا اٹھ جانا ہی وصال ہے۔ اس جواب سے حضرت حاجی صاحب اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنا شجرہ لا کر آپ کے سامنے رکھ دیا اور خلافت کے اعزاز سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے سلسلہ کو اتنا وسیع فرمائے گا جو کسی دوسرے سے نہ ہو سکے گا۔ اس لحاظ سے آپ سلسلہ چشتیہ کے بھی مجاز ٹھہرے (ملاحظہ فرمائیں۔ ہفت روزہ مدینہ بہاولپور مورخہ ۲، جولائی ۱۹۶۹ء روزنامہ مشرق لاہور مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۷۳ء)

چند تاریخی مناظرے | جن دنوں مرزا قادیانی نے برصغیر پاک و ہند کے مشاہیر علماء اور مشائخ کے نام دعوتی خطوط و اشتہار ارسال کئے تو حضرت پیر صاحب کے نام پر مرزا قادیانی کا ایک مطبوعہ دعوت نامہ ان کے عقیدت مند عبدالکریم سیالکوٹی

نے بھیجا۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب نے مرزا قادیانی کے رد میں "شمس الہدایت" کتاب لکھی یہ کتاب ۱۸۹۹ء میں ماہ رمضان المبارک میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں حضرت پیر صاحب نے مرزا قادیانی کے باطل مسلک کا مکمل طور پر رد فرمایا۔ اس کتاب کا منظر عام پر آنا تھا کہ حلقہ قادیان میں ہل چل مچ گئی۔ حکیم نور الدین قادیانی نے ۲۰ فروری ۱۹۰۰ء کو حضرت پیر صاحب کو ایک خط لکھا جس میں بارہ سوالات درج تھے۔ حضرت قبلہ عالم نے خط پہنچتے ہی اس کا جواب لکھ دیا۔ ان خطوط کی تفصیل حضرت شاہ کی تصنیف سیف چشتیائی میں شائع ہو چکی ہے۔ خط کے جواب پر مرزا صاحب کی طرف سے حضرت پیر مہر علی شاہ کو تحریری مناظرہ کی دعوت دی گئی۔ ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کو مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک اشتہار چھپوایا۔ یہ اشتہار ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کو ملا۔ اسی روز حضرت شاہ صاحب نے جوابی اشتہار دعوت قبول کرنے کا مطبع اخبار چودھویں صدی" راولپنڈی میں چھپوا کر اگلے ہی روز ملک میں تقسیم کرا دیا۔ اس اشتہار کی پانچ ہزار کاپیاں شائع کروائی گئیں۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کو ایک کاپی بذریعہ رجسٹری روانہ کر دی گئی اور ملک کے تمام اخبارات میں بھی اس دعوت مناظرہ اور جواب دعوت کی اطلاعات نشر کرا دی گئیں جس سے اسلامیان برصغیر پاک و ہند میں خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ مناظرہ کی تاریخ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء مقرر ہوئی۔ چنانچہ جب مناظرہ کی تاریخ قریب آئی تو ہزارہا مسلمان ملک کے گوشے گوشے سے لاہور پہنچنے لگے۔ ہر طبقہ و فرقہ کے علماء مشائخ اور اہل حق مسلمان دور و نزدیک سے جمع ہو گئے۔ اس مرکز میں تمام اسلامی فرقوں کے راہنما ایک صف میں کھڑے ہو گئے۔ سنی و اہل حدیث کے علاوہ شیعہ حضرات و مجتہدین نے قادیانیت کے محاذ پر حضرت شاہ صاحب کو اپنا نمائندہ و سربراہ ہونے کا اعلان کیا۔ ۲۴ اگست کو حضرت نے مرزا کو ایک تار کے ذریعے راولپنڈی اسٹیشن سے اپنی روانگی کی اطلاع دے دی۔ لاہور پہنچنے پر آپ کا بڑا والہانہ استقبال کیا گیا اور برکت علی اسلامیہ ہال میں آپ قیام پذیر ہوئے۔ مرزا غلام احمد کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب لاہور تشریف لا چکے ہیں تو اس نے لاہور آنے سے انکار کر دیا۔

قادیانی جماعت کے بعض با اثر لاہوری مولویوں نے مرزا صاحب کو لاہور لانے کی بے حد تگ و دو

کی مگر ناکام رہے۔ جب قادیانی جماعت کا آخری وفد قادیان سے ناکام لوٹا تو اس جماعت میں انتہائی بےچینی اور انتشار پیدا ہو گیا۔ بے شمار لوگوں نے اسی وقت تائب ہونے کا اعلان کر دیا۔

مرزا غلام احمد کے فرار کے بعد ۲۷ اگست ۱۹۰۰ء کو شاہی مسجد لاہور میں اسلامیان برصغیر پاک و ہند کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں تمام فرقوں کے علماء کرام نے ختم نبوت کی یہ تفسیر بیان کی کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔

تحریک خلافت

۱۹۰۸ء میں مغربی اتحادیوں اور روس کے گٹھ جوڑ سے سلطان عبدالحمید خاں والئ ترکی کو جب تخت سے معزول کر دیا گیا تو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ اتحادیوں نے اسلامی حکومت میں طبقاتی منافرت پھیلا کر ۱۷-۱۹۱۸ء تک شام، حجاز، فلسطین و عراق اسلامی سلطنت سے الگ کر دیئے اس طرح وہ عظیم ترکی سلطنت جو بلقان سے بحیرۂ عرب اور طرابلس تک پھیلی ہوئی تھی۔ فقط ایک مختصر سے علاقے پر محدود ہو کر رہ گئی۔ انہی دنوں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے خلافت کو بچانے کے لئے ایک ملک گیر تحریک شروع کی جس میں کانگرسی علماء گاندھی کی قیادت میں اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ اس ہندو اور کانگرسی علماء کے گٹھ جوڑ کو علمائے حق نے ٹھکرا دیا۔ جس میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے۔ مولوی ظفر علی خاں ۱۹۲۰ء میں حضرت سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ خلافت اور ہجرت کے موضوع پر گفتگو کی۔ حضرت قبلہ عالم نے شرع شریف کی روشنی میں اپنا مسلک بیان فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب کی پیشین گوئی کچھ دنوں کے بعد ظاہر ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد مولانا ظفر علی خاں کا مسٹر گاندھی سے کچھ اختلاف ہو گیا اور وہ کانگریس سے الگ ہو گئے چونکہ مسٹر گاندھی مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے اس لئے مولانا ظفر علی خاں کو اس اسلام دشمنی کے متعلق یہ کہنا پڑا۔

تقدیر وطن کی اسی دن سے ہوئی کھوٹی
جب شیخ کے تہمد سے ملی تیری لنگوٹی

تحریک ہجرت

مسٹر گاندھی نے جب یہ دیکھا کہ برصغیر کے مولویوں کی کافی تعداد کانگریس میں شامل ہو گئی ہے تو اس نے مسلمانوں کو برباد و پریشان کرنے کے لئے ایک نئی تجویز سوچی کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالا جائے تو اس نے چند نیشنلسٹ علماء سے یہ فتویٰ دلوایا کہ برصغیر پاک و ہند دارلحرب ہے۔ مسلمانوں کو اس جگہ سے ہجرت کر جانی چاہیئے۔

اس فتویٰ کا کانگریسی پریس نے خوب اچھالا اور ہجرت کے حق میں بڑے بڑے اداریے لکھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے کئی عقیدت مندوں نے خط ارسال کئے کہ حضرت ہم تو اللہ کی راہ میں ہجرت کر رہے ہیں اور آپ پیری مریدی کا سلسلہ سنبھالے رہیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ان کی کم فہمی پر بہت افسوس ہوا اور فرمایا کہ اس تحریک سے جو نقصانات ہونے والے ہیں۔ ان سے اللہ تعالےٰ تمہیں جلد آگاہ فرما دے گا چنانچہ یہ صاحبان اگلے ہی ماہ اشک ندامت بہاتے ہوئے واپس لوٹے۔ اس تحریک سے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا، اس کا تخمینہ اسی کتاب میں درج کر دیا گیا ہے۔

تحریک وہابیت

مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی سید احمد بریلوی نے جب برصغیر میں "تحریک وہابیت" کی داغ بیل ڈالی تو علمائے حق نے اس کا نہایت جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ حضرت مولانا فضل رسول بدایونی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس باطل فرقہ کے رد میں ایک منظم تحریک چلائی اور اس کے رد میں "سیف الجبار" اور "امتناع النظیر" کتابیں لکھیں اور دہلی کے مناظرے میں جب مولوی اسماعیل دہلوی کو شکست فاش دی تو یہ لوگ دہلی سے بھاگ کر پشاور جانے لگے اور جب اسلامیان صوبہ سرحد کو ان کے عقائد باطلہ کا علم ہوا تو انہوں نے مولوی اسماعیل اور سید احمد کے خلاف

جہاد کا اعلان کر دیا اور بالاکوٹ کے مقام پر سخت لڑائی کے بعد اس تحریک کا خاتمہ کر دیا لیکن ۱۸۵۷ء کی "جنگ آزادی" کے بعد مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا فضل رسول کے مکتب فکر کے علماء کرام اور مشائخ عظام کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا تو پھر اس تحریک کے لئے میدان صاف ہو گیا اور ان لوگوں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ، دیوبند اور امرتسر سے اپنے مسلک کی دوبارہ نشر و اشاعت شروع کر دی تو تصوف و اہل تصوف کو ہدف تنقید بنانا شروع کیا۔ یہ لوگ تاویلوں کے جال پھیلائے ہوئے بزرگان دین کے آستانوں پر پہنچ کر زائرین کو "قبر پرستی" اور "پیر پرستی" کے طعنے دے کر بہکانے کی کوشش کرتے جس سے اکثر سادہ لوح مسلمان ان کی باتوں میں آ کر بھٹک جاتے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے ان کا سختی سے محاسبہ کیا ان کے ساتھ مناظرے کئے، ان کے رد میں کتب تصنیف فرمائیں اور مولوی حسین علی واں بھچروی کے ساتھ کامیاب مناظرہ کیا۔

تحریک پاکستان

۱۹۱۱ء میں ایڈورڈ ہشتم کی دہلی میں آمد پر ہندوستان میں تمام معروف شخصیتوں کو دربار میں حاضری کی دعوت دی گئی۔ حضرت شاہ صاحب کو بھی دعوت نامہ ملا اور سر نواب عمر حیات خاں ٹوانہ خاص کر شاہ صاحب کو لینے کے لئے گولڑہ شریف تشریف لے گئے۔ قبلہ عالم نے یہ کہتے ہوئے صاف انکار کر دیا کہ ہمیں انگریزوں کے دربار سے کچھ نہیں چاہیئے۔ ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم اول کے زمانہ میں فرنگی حکومت نے آپ کو چار مربع اراضی دینے کی پیش کش کی لیکن آپ نے اس پیش کش کو بھی ٹھکرا دیا۔ ایک دفعہ راولپنڈی کے انگریز کمشنر آپ کی خدمت میں گولڑہ شریف میں حاضر ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت پیر سید غلام محی الدین شاہ کو آنریری مجسٹریٹ کا عہدہ پیش کیا۔ قبلہ عالم نے اپنے فرزند کو یہ اعزاز قبول کرنے سے منع کر دیا اور ان کے دفتر میں تسبیح دے دی۔ کمشنر صاحب نے کہا یہ کیا؟ آپ نے فرمایا۔ ہمیں بھی اپنے بزرگوں سے یہی ملی ہے اور ہم اسی سے اپنے ملک و قوم اور دین ملت کی خدمت کرتے رہیں گے اگرچہ شاہ صاحب ہمیشہ سیاست سے اپنا دامن بچاتے رہے لیکن جب قوم کو انتہائی نازک حالات سے دوچار ہونا پڑا تو آپ نے

سیاست میں بھی ان کی راہنمائی کی۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی نے "ترک موالات" اور متحدہ قومیت کے خلاف فتویٰ دیا تو حضرت شاہ صاحب نے بھی مخالفت فرمائی۔ آپ سے کسی شخص نے عریضہ لکھ کر دریافت کیا کہ کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو آپ نے خط کے جواب میں اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے صاف لکھ دیا کہ مسلمانوں کی ہندو کانگریس میں شمولیت اسلام کے سراسر خلاف اور ناجائز ہے حضرت شاہ صاحب نے ہمیشہ دو قومی نظریہ کی حمایت فرمائی جس کی بنا پر تحریک پاکستان میں آپ کے مریدوں نے شرکت کی اور اس تحریک کو کامیاب و کامران بنانے کے لئے اپنی پوری کوشش کی۔

حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی سابق شیخ الجامعہ اسلامیہ بہاولپور ۱۹۲۰ء کے بعد کانگریس میں شامل ہو گئے اور کانگریس میں آپ صف اول کے لیڈروں میں شمار ہوتے تھے لیکن حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے اصرار پر کانگریس چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ میدان سیاست میں بھی مولانا گھوٹوی نے اپنا سکہ بٹھا دیا۔ ملتان اور بہاولپور ڈویژنوں میں آپ نے تحریک پاکستان کو خوب فروغ دیا۔

شعر و شاعری

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب شعر و شاعری میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ آپ کا کلام اردو، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں میں ملتا ہے۔ آپ کے اشعار کا مجموعہ کافی عرصہ پہلے شائع ہو چکا ہے۔ پنجابی زبان میں کہی ہوئی آپ کی بلند پایہ نعت کے چند اشعار ذیل میں درج ہیں۔

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا

اج سک متراں دی ودھیری اے

کیوں دلڑی اداس گھنیری اے

لوں لوں وچ شوق چنگیری اے

اج نیناں نے لائیاں کیوں جھڑیاں

الطیف سریٰ من طلعتہ

والشذ بدامن وفرتہ

فسکرت ھنا من نظرتہ

نیناں دیاں فوجاں سر چڑھیاں

مکھ چند بدر شعشانی اے

متھے چمکے لاٹ نورانی اے

دیکھئے۔ سوانح مہریہ ہفت روزہ مدینہ بہاولپور۔

وفات

حضرت قبلہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر کے دس سال زیادہ تر گوشہ نشین رہے۔ مئی ۱۹۳۷ء کے پہلے ہفتہ میں بخار کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے۔ بخار روز بروز شدت اختیار کرتا گیا۔ بالآخر ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ بروز سہ شنبہ بوقت عصر دن کے ساڑھے پانچ بجے ایک لطیف و خفیف تبسم سے حاضرین کو ذوق آشنا فرمایا اور رو بہ قبلہ محو خواب استراحت ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس جہان فانی سے جنت الفردوس کی طرف سدھار گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صدر الافاضل حضرت مولانا حکیم سید محمد نعیم الدین مراد آبادی

خاندان

آپ کے آباؤ اجداد عہد اورنگ زیب عالمگیر میں مشہد سے برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے تھے آپ کے خاندان میں ہمیشہ سے علم و ادب کا چرچا رہا ہے آپ کے پردادا حضرت مولانا کریم الدین آزاد تخلص فرماتے تھے اور دادا کا نام نامی حضرت مولانا امین الدین تھا اور تخلص راسخ فرماتے تھے۔ والد ماجد کا نام معین الدین تھا۔ تخلص نزہت اور لقب استاذ الشعراء تھا۔ مراد آباد کی خواندہ آبادی کا ایک چوتھائی حضرت معین الدین صاحب کے تلمیذ کا رہین منت ہے آپ کے والد ماجد نے پہلے مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ انہوں نے آپ کو میلاد شریف پڑھنے اور قیام کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی پوری اجازت دے رکھی تھی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ مولانا نانوتوی بڑے نام حنفی ہیں اور تحذیر الناس میں انہوں نے ختم نبوت کا انکار بھی کر دیا ہے تو آپ نے ان سے بیعت فسخ کر لی اور اعلٰے حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے دست حق پرست پر بیعت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

پیدائش

حضرت صدر الافاضل ماہ صفر ۱۳۰۰ھ بمطابق ۱۸۸۳ء میں ہندوستان کے مشہور شہر مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تاریخی نام غلام مصطفٰے تھا۔ آپ کی عمر جب چار سال کی ہوئی تو رسم مکتب بڑی دھوم دھام سے ادا کی گئی۔ آپ نے حافظ سید نبی حسین صاحب کی نگرانی میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ پھر عرصہ بعد حافظ حفظ اللہ نے قرآن مجید کا حفظ شروع کروایا موصوف نے چار سال کی قلیل مدت میں پورا قرآن مجید حفظ کرا دیا مولانا حکیم سید محمد نعیم الدین مراد آبادی آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید کے حافظ بن گئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد سے فارسی کی تعلیم

حاصل کی اور حضرت مولانا ابو الفضل فضل احمد سے عربی اور طب کی تکمیل کی۔ حضرت مولانا ابو الفضل فضل ایک صاحب حال بزرگ تھے اور ان کا قیام بیس سال سے مسجد چوکی حسن خاں کے حجرہ میں تھا۔ آپ وہیں مطب کرتے تھے آپ اپنے وقت کے پاکباز، نیک سیرت اور مشہور عالم تھے۔ آپ نے مولانا موصوف کو عربی، فارسی کا اچھا عالم اور فن طب میں حاذق طبیب بنا دیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا ابو الفضل رحمۃ اللہ علیہ حکیم نعیم الدین مراد آبادی کو حضرت مولانا محمد گل کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ صاحبزادے نہایت ذکی و فہیم ہیں۔ ملا حسن تک پڑھ چکے ہیں۔ میری یہ خواہش ہے کہ بقایا تعلیم کی تکمیل آپ کرادیں اور حضرت مولانا محمد گل نے مولانا حکیم نعیم الدین مراد آبادی کو شفقت سے اپنے پاس بٹھایا۔ منطق، فلسفہ، اقلیدس اور دورۂ حدیث کی تکمیل آپ پہلے ہی کر چکے تھے۔ ایک سال مشق فتویٰ نویسی و روایت کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۰ھ میں بیس (۲۰) سال کی عمر میں آپ کی دستار بندی ہوئی۔

بیعت

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ مرشد کامل کی تلاش میں پہلی بیعت تشریف لے گئے اور حضرت شاہ جی آپ سے بڑی شفقت سے پیش آئے اور فرمایا کہ میاں مراد آباد میں مولانا محمد گل صاحب ہیں۔ آپ اُن کی خدمت میں تشریف لے جائیں۔ آپ جس ارادہ سے آئے ہیں آپ کا حصہ وہیں مل جائے گا۔ آپ مراد آباد لوٹ آئے تو حضرت مولانا محمد گل صاحب نے فرمایا کہ شاہ جی میاں صاحب کی حاضری دے آئے ہو۔ اچھا جمعہ پرسوں ہے نماز فجر کے بعد تشریف لے آیئے۔ آپ کو آپ کا حصہ دے دیا جائے گا۔ چنانچہ آپ بروز جمعہ بعد از نماز فجر حضرت مولانا محمد گل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سلسلہ قادریہ میں آپ کو بیعت کیا۔ ان دنوں درس بریلی اور درس دیوبند میں کافی چپقلش چل رہی تھی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اس لئے لکھا جا رہا تھا کہ انہوں نے ایسی تمام تحریکوں کا رد لکھا جو اسلامیان برصغیر پاک و ہند کے اتحاد اور مفاد کے منافی تھیں جودھپور میں جمعیت العلماء ہند کے کسی ادریس نامی شخص نے اعلٰے حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے خلاف اخبار نظام الملک میں ایک مضمون شائع کیا۔ جب یہ مضمون حکیم مولانا سید محمد نعیم الدین

مرادآبادی رحمۃ اللہ کی نظر سے گذرا تو انہوں نے اس مضمون کا بہترین جواب لکھا جو حقیقت پر مبنی تھا۔ یہ مضمون جب اخبار نظام الملک میں شائع ہوا تو تمام ملک میں بہت پسند کیا گیا۔ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے جب یہ مضمون گذرا تو انہوں نے حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی کو بریلی بلایا اور ان سے بڑی محبت کے ساتھ پیش آئے اور انہیں اپنی تحریک میں شامل کرلیا۔ یہ رشتہ عقیدت استوار ہوا کہ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں آپ پر کامل اعتماد فرماتے۔

تبلیغ دین

تبلیغ دین کے سلسلے میں آپ ایسا جذبہ رکھتے تھے کہ زمانہ حال میں تبلیغ کے لئے جس قدر ذرائع درکار ہیں آپ نے وہ تمام اختیار کئے۔ مسلمانوں کی تبلیغ کے لئے آپ اکثر و بیشتر قریہ قریہ تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر اسلامی ارکان و مسائل کی تعلیم سے روشناس کراتے۔ مناظرہ میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا برصغیر پاک و ہند میں تمام مسلک کے علماء آپ کا سکہ مانتے تھے۔ آپ نے علمی تبلیغی بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ السواد الاعظم رسالہ جاری کیا۔ ملک میں حنفی مسلک کے جتنے بھی بڑے جلسے یا اجتماع ہوتے ان میں آپ ہمیشہ شرکت فرماتے آپ کا نام سن کر دلدادگان دین وقت دور دور سے جلسہ گاہ میں حاضر ہوتے۔ آپ نے اپنے درس میں مبلغین کی ایک بہت بڑی جماعت تشکیل فرمائی جنہوں نے برصغیر کے گوشے گوشے میں دینی درس قائم کئے اور تبلیغ اسلام کے لئے ایسی قابل قدر خدمات انجام دیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صفحہ قرطاس پر نقش رہیں گی۔
سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد آریا سماج کا فتنہ شروع ہوا۔ آپ کی تبلیغی جماعت نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آریا سماج سے مقابلہ کرنے میں آپ امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ تبلیغ کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس پر آپ نے کام نہ کیا ہو۔ مخالفین کے اعتراضات اور ان کے شبہات کے ازالہ کے سلسلے میں آپ کے جوابات نہایت متین و سنجیدہ ہوتے تھے۔ تضحیک و تمسخر سے آپ کا جواب بالکل مبرا ہوتا تھا۔ طرز استدلال ایسا معقول اور مدلل ہوتا کہ اہل علم و دانش عش عش کر اٹھتے تھے اور مخالفین کے لئے مزید اعتراض بحث کی گنجائش نہ رہتی تھی۔ اس کے لئے آپ کی تمام تصانیف شاہد عادل ہیں۔

ملی سیاست

سنہ ۱۹۲۰ء میں جب تحریک خلافت زوروں پر تھی اور کانگریس بھی بظاہر

اس کی ہمنوا تھی تو گاندھی جو دونوں سیاسی جماعتوں کا مسلم لیڈر تھا۔ اس نے اہل ہند کو نان کواپریشن (یعنی ترک موالات کا نام دے کر انگریزوں سے مکمل بائیکاٹ کرنے پر ابھارا۔ جنگ بلقان کی وجہ سے انگریز دشمنی میں تحریک خلافت کے ماتحت مسلمان پیش پیش تھے۔ سیاسی لحاظ سے بعض مسلمان لیڈر تو گاندھی کو اپنا راہنما پہلے ہی تسلیم کرچکے تھے لیکن ان دنوں کتنے ہی اصحاب کے جبہ و دستار کے فتوے بھی گاندھی کی جنبش لب کے ساتھ گردش کرنے لگ گئے جو اس مشرک اور بدخواہ اسلام و مسلمین کے منہ سے نکل جاتا۔ اسے آیات و احادیث سے صحیح ثابت کرنے پر وہ علماء اپنا سارا علمی زور صرف کر دیتے جب گاندھی نے مسلمانوں کو معاشی بدحالی میں مبتلا کرنے کے لئے بائیکاٹ کا سبق پڑھایا تو ان علماء نے حکم گاندھی کی تعمیل کرتے ہوئے بڑے بڑے فتوے مرتب کئے۔ انہیں آیات و احادیث سے مرتب کیا جن کے ذریعے انگریزوں سے موالات کو حرام قرار دیا۔ نام موالات کا تھا۔ لیکن عملاً معاملات سے بھی روکتے اور مکمل بائیکاٹ کا درس دیتے تھے۔ گویا انگریزوں سے نری معاملت بھی حرام لیکن ہندوؤں کو امام و پیشوا بنانا۔ ان کے حق میں نعرے لگانا، ان کے جلسوں کی رونق بڑھانا، رام لیلا کا انتظام مسلمان رضاکاروں سے کروانا، ناپاک مشرکوں کو پاک مسجدوں میں لانا، انہیں منبروں پر بٹھانا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہندوستان میں گائے کی قربانی ناجائز قرار دینا، مشرکوں کی ارتھیوں کو کندھا دینا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا، کتنے ہی امور و حرکات شنیعہ و قبیحہ کو معمول بنالیا۔ انہیں فرائض کی طرح ضروری ٹھہرایا بلکہ جزو ایمان و ارکان اسلام بنالیا۔ کیا یہ دین کے گلے پر چھری پھیرنا اور اسلام سے کھلم کھلا مذاق نہ تھا۔

ان دونوں گاندھی کی اس غارت گری اور مسلم کش پالیسی کو اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھانپ لیا اور سنہ ۱۹۲۰ء میں انہوں نے کتاب "المحجۃ المؤتمنہ" لکھ کر گاندھی کے بت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں کی اس غیر اسلامی روش کو مسلمانان برصغیر پاک و ہند کے سامنے ہمیشہ کے لئے ختم کردیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ نیشنلسٹ اور کانگریسی علماء اکبری دور کے علماء کی یادگار ہیں کہ مسلم اقلیت کو ہندو اکثریت میں مدغم کرنے کے لئے کوشاں ہیں

اس بحث کو میں نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے حالات میں لکھ دیا ہے عرض کہ حضرت حکیم مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اپنے رسالے السواد الاعظم مراد آباد میں دو قومی نظریہ پر بہترین مضامین شائع کیے جنہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں کو گرمایا اور مسلمانوں نے نظریہ پاکستان کو جزو ایمان بنالیا۔ نیشنلسٹ اور کانگرسی علماء کے اس فتوے کو کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں" تارِ عنکبوت کی طرح ہمیشہ کے لئے جھٹک کر رکھ دیا۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور حکیم مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی نے اپنی کتابوں میں دو قومی نظریہ پر وہ مضبوط دلائل قائم کیے کہ ان میں سے ایک دلیل کو بھی نیشنلسٹ اور کانگرسی علماء آج تک نہیں جھٹلا سکے۔

جب افراط و تفریط میں صاحبان جبہ و دستار اور گاندھی کے نعلین بردار اس حد تک دور نکل گئے کہ ایک طرف انگریزوں سے ترک معاملات بھی حرام اور دوسری طرف ہنود سے نہ صرف معاملت بلکہ موالات بھی حلال انہوں نے اس پر ہی بس نہ کی بلکہ اتحاد کی یہاں تک انتہا کی کہ ہنود کی غلامی ہی کو صراط مستقیم قرار دیا تو حضرت صدر الافاضل نے شوال المکرم ۱۳۳۸ھ "السواد الاعظم" مراد آباد میں "حالات حاضرہ" کے عنوان سے ایک بصیرت افروز مضمون کے ذریعے اس سیاسی روش کا اسلامی حکم واضح کیا اور اس کے مضرات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ ایسے مواقع پر ایک مسلمان کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے۔ اسی طرح ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۹۲۱ء میں آپ نے "موالات" کے نام سے ایک فاضلانہ مقالہ شائع کروایا اور اس کو ملک کے کونے کونے میں پہنچایا تاکہ مسلمان گاندھی کے اس سحر سامری سے بچ جائیں یعنی ہندو اکثریت میں مدغم ہونے سے محفوظ رہ سکیں جس کی افادیت کو دس سال بعد ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمۃ نے ۱۹۳۰ء میں تسلیم کیا اور اس کے آٹھ دس سال بعد قائد اعظم محمد علی جناح کو بھی مجبور ہو کر اسی نظریہ کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور اسے اپنی سیاست کا مرکز اور محور بنانا پڑا۔ کیونکہ ۱۹۳۸ء میں کانگرس کی لکھنؤ میٹنگ میں ہندو لیڈروں کے پوشیدہ عزائم اور ان کی اندرون خانہ اسلام دشمنی کو بھانپ کر آپ کی آنکھیں کھل گئیں اور یہ اعلان کرکے واک آؤٹ کر گئے کہ ہم باعزت اور مساویانہ شرکت کر سکتے ہیں، ذلیل اور ماتحت ہو کر شریک نہیں ہو سکتے۔

جب بڑے بڑے لیڈروں نے بھی دو قومی نظریہ کو تسلیم کر لیا تو اس نظریہ نے خوب زور پکڑا یہاں تک کہ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے لاہور میں قرار داد پاکستان منظور کی۔ نیشنلسٹ اور کانگرسی علماء نے قیام پاکستان کی مخالفت پر اپنی تمام توانائیاں اور علمی و عملی صلاحیتیں صرف کرنا شروع کر دیں تو تمام علماء اہلسنت نے ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس بلائی خصوصاً حضرت صدر الافاضل اور حضرت محدث کچھوچھوی نے روح رواں کی طرح کام کیا۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قیام پاکستان کے بعد ان لوگوں کے کارناموں کو تعلیمی نصاب میں شامل کیا جاتا تاکہ آنے والی نسلیں اس سے راہنمائی حاصل کر کے کھوٹے کھرے کی پہچان کر سکیں لیکن یہاں معاملہ الٹ ہوا۔ محمد علی بوگرہ کی وزارت کے بعد قیادت ایسے نالائق ہاتھوں میں آئی کہ نظریہ پاکستان کے دشمنوں کے وارے نیارے ہو گئے۔ انہوں نے وہ تمام تحریکیں جو پاکستان کے خلاف صف آرا تھیں۔ ان کے کارناموں کو تعلیمی نصاب میں شامل کرایا اور جن جماعتوں نے پاکستان کی تحریک میں حصہ لیا تھا ان کے کارناموں کو حرف غلط کی طرح صفحہ قرطاس سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا گیا۔ حکیم مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی جو آل انڈیا سنی کانفرنس کے روح رواں تھے، میری ان سے پہلی ملاقات ۱۹۴۰ء میں مراد آباد میں ہوئی ان دنوں آل انڈیا مسلم لیگ کا لاہور میں اجلاس ہونے والا تھا۔ حضرت مولانا موصوف سے اس کے بارے میں دریافت کیا اگر مسلم اکثریت کے صوبے علیحدہ ہو گئے اور مسلم لیگ کے نظریہ کے مطابق ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا تو اس سے ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچے گا ہمیں تو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہندو ہمیں کبھی بھی چین کی زندگی بسر نہیں کرنے دیں گے۔" حضرت مولانا نے پہلے تو دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ برصغیر کے مسلمانوں میں اتحاد و اخوت اور محبت پیدا کرے اور وہ متفق ہو کر برصغیر میں ایک علیحدہ اسلامی ریاست کا مطالبہ پیش کر دیں کیونکہ اس سے ہمیں جو مسائل درپیش ہوں گے ہمیں ان کی کوئی پرواہ نہیں ہم جانتے ہیں کہ برہمنی سامراج ہمیں اس بارے میں معاف نہیں کرے گا لیکن اسلامی ریاست کے وجود میں آنے سے چھ کروڑ مسلمان انگریز اور برہمنی سامراج کی غلامی سے نجات پا لیں گے۔ اس خطہ میں اسلامی آئین کا نفاذ

ہوگا جس سے قرآن و سنت کی پیروی میں اپنی زندگی بسر کریں گے۔ اسلام کو ترقی ہوگی اور ہم یہاں مراد آباد میں بیٹھ کر خوش ہوں گے۔ یہ اسلامی ریاست برصغیر میں ایک چھاؤنی کا کام دے گی۔ اس کی طاقت سے پورے ہندوستان کے مسلمان امن کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ میں نے سوال کیا دو قومی نظریہ کا خالق کون ہے؟ تو مولانا صاحب نے فرمایا کہ دو قومی نظریہ کے خالق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید و رسالت کا اعلان فرمایا۔ دو قومی نظریہ اسی دن قائم ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے نیشنلسٹ اور کانگری عالموں کو راستہ سے بھٹکے ہوئے دیکھ کر دو قومی نظریہ کی تصدیق کر دی۔ حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی سے دوسری بار اس وقت میری ملاقات ہوئی جب ۱۹۴۶ء میں الیکشن کی سرگرمیاں زوروں پر تھیں لیکن راقم الحروف اس وقت کامن ویلتھ ریڈیو اسٹیشن کیورے (جاپان) کا اردو اناؤنسر تھا۔ میں اور مسٹر جی ڈی لال جلپوری جو ہندی پروگرام کا اناؤنسر تھا ایک مہینہ کے لئے ہندوستان آئے تھے۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں بنارس کانفرنس کی تیاریاں شروع تھیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کانفرنس کے روح رواں حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی تھے۔ انھوں نے اس کانفرنس میں یہ اعلان کیا تھا کہ اگر آل انڈیا مسلم لیگ پاکستان کے مطالبے سے دستبردار بھی ہو جائے تو آل انڈیا سنی کانفرنس اس مطالبے سے دست کش نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو دینی اور سیاسی بصیرت اس قدر عطا کی تھی کہ ان جیسا یقین محکم رکھنے والے چند ہی علماء تھے ورنہ جتنی مسلمانوں کی تحریکیں اٹھیں یا وہ گاندھی کی حکمت عملی کی نذر ہوگئیں یا پھر وہ بری طرح ناکام ہوئیں لیکن آل انڈیا سنی کانفرنس نے مسلم لیگ کی معاونت کر کے مسلم لیگ کو ایسی تقویت پہنچائی کہ وہ کامیابیوں سے ہمکنار ہوئی۔ اب بھی پاکستان میں دیکھا جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ اور ان کے رفقاء کے پیروکار نظریہ پاکستان پر ویسے ہی قائم ہیں۔ جیسے آج سے پچیس سال پہلے تھے۔ دو قومی نظریہ اور تحریک پاکستان ان کا جزو ایمان ہے۔

درس و تدریس

حضرت مولانا نے مسلمانوں کی دینی و اخلاقی تربیت کے لئے ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں جامعہ نعیمیہ کی بنیاد رکھی اور اسی سال مراد آباد میں انجمن اہل سنت والجماعت قائم کی۔ اس کے پہلے صدر جناب حکیم نواب حافظ حاجی الدین احمد مرحوم مقرر ہوئے۔ جامعہ نعیمیہ

نے اس درجہ ترقی کی کہ تمام برصغیر پاک و ہند میں اس کی شاخیں قائم ہوگئیں اور بجا طور پر اسے اب رشکِ الوقت زبان میں یونیورسٹی کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ جامعہ نعیمیہ سے وہ گوہر نے شہسوار پیدا ہوئے جن کی آبائی نے ایک عالم کو منور کیا اور تحریک پاکستان میں جاندار کردار ادا کیا کہ تاریخ پاک و ہند میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔ جامعہ نعیمیہ کے فارغ التحصیل علماء کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ حضرت صاحبزادہ پیر محمد کرم شاہ نعیمی بھیروی ایم۔اے (الازہر) مصنف تفسیر ضیاء القرآن، مدیر ضیائے حرم۔

۳۔ حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ صدر مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان مدفون لاہور۔

۴۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری مدظلہ ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف پاکستان لاہور۔

۵۔ تاج العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم جامعہ مراد آباد مدفون کراچی۔

۶۔ حضرت مولانا مولوی محمد نذیر احمد صاحب نعیمی سلانوالی۔

۷۔ حضرت مولانا غلام فخر الدین صاحب نعیمی گانگوی شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم میانوالی۔

۸۔ حضرت مولانا مفتی محمد امین مینائی نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ مدفون منڈی کامونکی۔

۹۔ حضرت مولانا حکیم محمد مختار صاحب نعیمی گجرات۔

۱۰۔ حضرت مولانا سعید صاحب نعیمی شادیانہ میانوالی۔

۱۱۔ حضرت مولانا محمد صالح صاحب مجنو نعیمی۔ مدرس مدرسہ مخزن العلوم آکوئی لاڑکانہ۔

۱۲۔ حضرت مولانا خدا بخش صاحب نعیمی۔ فاضل پور ڈیرہ غازی خاں۔

۱۳۔ حضرت مولانا غلام محی الدین صاحب مراد آبادی حال وارد کراچی

١٤۔ حضرت مولانا سید محمود احمد شاہد صاحب نعیمی حیدرآباد پاکستان۔

١٥۔ حضرت مولانا محمد اشفاق صاحب نعیمی حیدرآباد۔

١٦۔ فقیہ الاعظم حضرت مولانا الحاج ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب نعیمی بانی و مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور ضلع ساہیوال۔

١٧۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی سنبھل بانی جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور۔

١٨۔ حضرت مولانا محمد اطہر صاحب نعیمی ابن حضرت تاج العلماء قدس سرہ کراچی۔

١٩۔ حضرت مولانا سید محمد علی صاحب نعیمی خطیب جامع مسجد اچھرہ لاہور۔

٢٠۔ حضرت مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ مدیر سواد اعظم لاہور۔

٢١۔ پیر طریقت حضرت مولانا غلام قادر اشرفی مدظلہ (لالہ موسیٰ)

جماعت رضائے مصطفےٰ اور آل انڈیا سنی کانفرنس

تحریک خلافت کے بعد جب مسلمانوں کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوا تو ١٩٢٢ء میں گاندھی کے اشارے پر تحریک چلائی گئی اس کا پس منظر یہی تھا کہ مسلمانوں کو لالچ دے کر ہندو بنایا جائے اور اپنی مذہبی تحریک کر کے ان کو مرتد کر دیا جائے اگر دونوں حربوں سے بچ نکلیں تو ان کا قتل عام کیا جائے اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے سب سے پہلے جمعیت رضائے مصطفےٰ قائم کی اور اس جماعت کے ذریعے آپ اور آپ کے رفقاء مفتی اعظم ہند حضرت مصطفےٰ رضا خاں مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی، حضرت مولانا ابوالحسنات قادری، حضرت مولانا نثار احمد کانپوری، حضرت مولانا مشتاق احمد حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اور دیگر علماء اہل سنت نے اس فتنہ عظیم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آگرہ متھرا، بھرت پور، گوڑگانوں، گوبند گڑھ، حالی، اجمیر، بے پور، کشن گڑھ کے علاوہ برصغیر کے دوسرے علاقوں کے بھی دورے کئے اور وہاں مبلغین بھیجے [illegible] مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری، مولانا

احسان الحق صاحب نعیمی، مولانا ابوالحسنات قادری، دشمن اسلام شردھانند کے مقابلہ میں ماہ رمضان شریف میں پہنچے اور فتنہ ارتداد پر کامیاب ہوئے اور تبلیغ اسلام کے لئے ایک مستقل درس قائم کیا جس کے لئے شدھی تحریک کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع ہو گیا اور امیر ملت حضرت سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری نے اس تبلیغی جدوجہد کے سلسلہ میں آگرہ میں کافی عرصہ قیام فرمایا۔

ان کے بعد حضرت سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے اپنا تبلیغی مرکز آگرہ میں قائم کیا جس سے شردھانند کا فتنہ ہمیشہ کے لئے مٹا دیا گیا اور ہزاروں مرتد دوبارہ داخل اسلام ہوئے اور لاکھوں مسلمانوں کو اس شدھی تحریک کے چنگل سے نجات دلائی۔ اس کے بعد ہندوؤں نے ایک اور منصوبہ بنایا۔ جسے گرو کل کی تحریک کہتے ہیں۔ منصوبہ یہ تھا کہ ہندوؤں کے لیے الگ مرکز بنائے جائیں جن میں ہندو نوجوانوں کو شامل کر کے انہیں مسلمانوں کے خلاف ابھارا جائے اور یہ طویل المیعاد منصوبہ تھا بظاہر تو یہ تعلیمی پروگرام تھا لیکن نتیجۃً اس سے ایسے لوگ تیار کرنا مقصود تھے جو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلیں جس میں پچیس سال کے بعد اس فتنہ کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہ تھی لہٰذا حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے اپنے مسلک کے علماء کو مرادآباد میں ایک جلسے میں خطاب کرتے ہوئے ان خطرات سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ اگر اب بھی تم ہوش میں نہ آئے اور اپنی تنظیم مستحکم بنیادوں پر قائم نہ کی تو پھر اس کا برا انجام ہوگا اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چار روزہ غور و فکر کے بعد بالآخر آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد ڈالی جس کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور صدر حضرت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری منتخب ہوئے ان عظیم شخصیات نے متحد ہو کر ہر حصے میں دورے کئے اور سنی کانفرنس کی شاخیں قائم کیں۔

تحریک پاکستان

١٩٢٧ء میں کانگرس کا ایک اجلاس لکھنؤ میں ہوا۔ جس میں ہندو قیادت نے ہندو پلان پیش کر کے اپنے آپ کو بے نقاب کر دیا۔ اس پلان کا بنیادی نظریہ اسلامیان برصغیر کو ہمیشہ کے لئے ہندو

کی غلامی میں رکھنا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو تھوڑا سا لالچ دے کر ان سے بڑے سے بڑا گناہ کرایا جا سکتا
ہے۔ بڑے بڑے علماء ان کی مٹھی میں تھے اور گاندھی کے ادنیٰ اشارے پر بڑی سے بڑی قلابازی بھی
کھانے سے گریز نہیں کرتے تھے لیکن قائد اعظم محمد علی جناح، حضرت علامہ اقبال، حضرت مولانا سید
محمد نعیم الدین مرادآبادی اور حضرت سید پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے ہندو قیادت کو برملا کہہ دیا کہ
ہم باعزت اور مساویانہ شرکت کے لئے تو تیار ہیں لیکن برصغیر کا کوئی مسلمان ہندو کے ماتحت نہیں رہ سکتا
کیونکہ ارضِ ہند سے مسلمانوں کی تمدنی و سیاسی قوت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد تقسیم بنگال کے موقع
پر مسلمان سب سے پہلی شرارت کا شکار ہو چکے تھے۔ تحریک خلافت میں مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی
کی غیر اسلامی قیادت اور ہجرت کی بے ہودہ تحریک میں مسلمانوں نے دوسری ٹھوکر کھائی لیکن مسلمانوں
کی آنکھوں پر سیاسی بے صبری کا وہی دبیز پردہ پڑا رہا۔ ہندوؤں کے بہاتما جی نے ان حالات کا بنظر
غائر مطالعہ کیا۔ پھر متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کیا جس سے مسلمانوں کے شعور کی ساری قوتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں
اب گاندھی جی نے ان پیشہ ور مولویوں کا ایک ایسا گروہ تیار کیا جنہوں نے ہندو کانگرس کی تجوریوں کے
منہ کھلے دیکھ کر اپنی ذاتی اغراض و مصالح کی خاطر مسلمانوں کی رہی سہی قوت کو بھی فنا کرنے کی مذموم کوشش
کی۔ اس موقع پر آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا سنی کانفرنس، اسلامیان برصغیر کی ان دو جماعتوں نے
ملت کو ایک اندوہناک سانحہ سے بچا لیا اور ان کے بے حس اور مردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی
اور گاندھی کے طلسم سامری کو توڑ کر متحدہ قومیت کے دام ہم رنگ زمیں کو تار تار کر کے رکھ دیا۔ اور
مسلمانوں کو سنبھالا دیا کہ اگر تم لوگ ارض ہند پر ایک تمدنی قوت کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہو تو تمہیں
اپنی کھوئی ہوئی ایمانی قوت کو پھر سے حاصل کرنا ہوگا یعنی قرآن کی طرف لوٹنا ہوگا۔ سلطنت اسلامی دمغلیہ
کے اختتام کے بعد آپ نے بھولا ہوا سبق دوبارہ یاد کرایا۔ حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی
نے اپنے رسالہ "السواد اعظم" میں متحدہ قومیت کے رد میں کئی ایک بلند پایہ مضامین لکھے جن کے
اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"السواد اعظم" مرادآباد بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ میں لکھتے ہیں۔

"برصغیر کی عام زبان"

"اردو برصغیر کی عام زبان ہے۔ ہندو اور مسلمان اس میں برابر کے شریک ہیں اور حصہ دار
ہیں۔ آج ہندو اپنی ترقی کے دور میں اسے صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالنے کی کیسی جانکاہ کوشش کر رہے
ہیں اور ایک مردہ زبان کو جو ان کی قومی یا مذہبی زبان ہے رواج دینے اور زندہ کرنے کے لئے کیسی
جدوجہد عمل میں لا رہے ہیں وجہ یہ ہے کہ قومی خصوصیات کا تحفظ اور ترقی کے لئے شرط اول ہندوؤں
میں مسلمانوں سے زیادہ انگریزی دان اور گریجویٹ ہیں لیکن وہ اپنے مذہبی شعار و امتیازات کو کھو نہیں
بیٹھے۔ ایک فیصد کی نسبت سے بھی ہندو انگریزی دانوں میں ایسے لوگ نہ ملیں گے جنہوں نے اپنی
قومی وضع ترک کر دی ہو۔ "چوٹی" کو وحشت خیال کیا ہو۔ ایک ڈورا جس کو "جینو" کہتے ہیں۔ باندھنا چھوڑ
دیا ہو۔ یہی سبب ہے کہ ان کا رشتہ محبت مضبوط اور شیرازہ قومیت منتشر نہیں۔ مغربی تعلیم سکھوں کے
سر کے بال نہ اتار سکی۔ ان کی داڑھی تک ولایتی استرا نہ پہنچ سکا۔ انگریزیت ان کی وضع کو تبدیل کرنے
سے عاجز رہی لیکن مسلمان اپنے مذہبی شعار سے دستبردار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ قرآن پاک کی تعلیم نہیں
غیر ضروری معلوم ہونے لگی۔ اسلامی صورت سے نفرت ہو گئی۔ اسلامی وضع عار معلوم ہوتی۔ فرائض کی ادائیگی
میں شرم آنے لگی۔ اسلامی اعمال و افعال سے وہ ناآشنا ہو گئے۔ اسلامی خصائل و خصائص سے ان کی طرح
زندگی سادہ ہو گئی۔ کفار کی وضع اور ان کا طرز معاشرت پسند آیا۔ یورپ کے رنگ میں رنگے گئے۔
اب جو مسلمان اسلامی وضع میں نظر آتا ہے اس صورت سے ——— ان کے قلب
میں نفرت پیدا ہوئی ہے علماء کے نام سے دل بیزار ہے۔ پابند مذہب مسلمانوں کا مضحکہ اڑایا جا
رہا ہے۔ نمازیوں پر آوازیں کسی جاتی ہیں۔ ان کو "ملا" کہتے ہیں گویا ان کی اصطلاح میں لاحیوان لا یعقل
کا نام ہے ہر ایک مذہبی ادا سے انہیں نفرت ہے اور ہر اسلامی وضع رکھنے والا ان کی نظر میں
حقیر و ذلیل ہے اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ بے تکلف بات کرنا، سلام کرنا تو کجا،
سلام کا جواب تک نہ دینا یہ سب باتیں آج کی تہذیب کا معیار ہیں۔ یہ حالت اسلامی اتحاد و

بلکہ وہ ہندوؤں سے مل گئے۔ مسلمانوں کو چھوڑنا اور ان کی بڑی جماعت سے علیحدہ ہو جانا گوارا کیا مگر اپنے محسن ہندوؤں کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ کانگریس کی تائید میں سول نافرمانی پاس کر دی اور اس بات کا کچھ لحاظ نہ کیا کہ مسلمانوں پر اس کا کیا اثر ہوگا؟ اب جمعیت العلماء کے مولوی ہندوؤں کی مدح سرائی کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کے وعظوں میں ذکر خدا و رسول کی جگہ گاندھی اور ہندو کی تعریف ہوتی ہے اور کانگریس کی تحریکوں پر عمل کرنے کے لئے مسلمانوں کو ابھارتے اور اغوا کرتے ہیں۔

سوادِ اعظم ماہ شعبان ۱۳۳۸ھ

شریعت مطہرہ کے قانون کی خلاف ورزی اور احکام الٰہیہ سے انحراف مسلمانوں کے لئے تباہ کن معصیت ہے اور وہ آئین کی مخالفت کر کے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ موجودہ زمانہ میں لیڈران قوم کی خود پسندی اور مطلق العنانی اور علمائے اسلام سے بے تعلقی سخت مضرت کا باعث ہے۔ ہر طرف سے علماء کی شکایتیں ہیں، انہیں گورنمنٹ کا تنخواہ دار بتا کر خلق کو ان سے بدگمان اور برہم کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں مگر وہ حق کے شیر سب کچھ سنتے ہیں اور صراط مستقیم پر قائم ہیں مسلمانوں کو راہ راست بتاتے ہیں اور کسی خوف سے مرعوب نہیں ہوتے۔ کوئی طاقت کلمۂ حق کو ان سے نہیں چھڑا سکتی۔ یہ اسلام کی حقانیت کا زبردست اثر ہے کہ جن قلوب پر اس کا تسلط ہے وہ ہرگز کسی دوسرے اثر سے متاثر نہیں ہوتا۔

وہ کون سی بات ہے جس کی وجہ سے علمائے اسلام گورنمنٹ کے تنخواہ دار سمجھے گئے۔ کیا شعائر اسلام کے مٹنے سے راضی نہ ہونا؟ مسلمانوں کو مراسم شرک میں مبتلا ہونے سے روکنا یہ خاص گورنمنٹ کا کام ہے یا اس کے علاوہ وہ گورنمنٹ کو کوئی امداد پہنچا رہے ہیں مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ خود غرض خوب جانتے ہیں کہ علماء کج روی اور گمراہی کی کبھی حمایت نہیں کر سکتے اس لئے وہ اپنے اغراض کو پورا کرنے کے لئے عوام کو علماء کی طرف سے بدظن کرنا ضروری تصور کرتے تھے۔

جب علماء کی آواز عوام تک نہ پہنچے اور ان کو گورنمنٹ کا آدمی سمجھ کر کوئی ان کی بات کان لگا

اخوت کو کس درجہ صدمہ پہنچانے والی ہے؟

کیا کسی قوم کی فلاح و بہبود اور عزت و حرمت کا دارومدار ایسی ہی باتوں پر ہوا کرتا ہے؟

ایک تاریخی خط

حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کا ایک تاریخی خط بنام مولوی محمد کفایت اللہ صدر جمعیت علمائے ہند از کتاب افاضات صدر الافاضل:

مکتوب گرامی نمبر ۱

عنایت فرمائے من جناب مولوی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت العلمائے ہند زاد عنایتہ!

مابعد المسنون کے بعد عرض ہے کہ میرے پاس جناب کے خطوط اور دعوت نامے پہنچے ہیں جناب سے یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ اس کا احساس فرمائیں کہ گذشتہ تجربوں نے یقین دلایا ہے کہ ہندو مسلمانوں کی تباہی و بربادی کو سوراج سے زیادہ عزیز جانتے ہیں انہیں کسی طرح گوارا نہیں ہے کہ سرزمین ہند پر مسلمانوں کا وجود رہے اگر یہ تجربے نہ ہوتے تو بھی مسلمانوں کو قرآن کریم پر یقین ہے مشرکین کی شدت عداوت قرآن پاک میں وارد ہے ان سے نفع کی امید اور وفاداری کی توقع خیال باطل ہے اس وجہ سے ہندوستان کے مسلمان بالعموم گاندھی اور کانگریس کی تحریکوں سے اس وقت تک قطعاً علیحدہ ہیں۔ آپ جمعیت کو ایسے طریق عمل سے بچائیے جو گاندھی کی تحریک کا ہم معنی یا اس کی تائید ہو اگر اس کا لحاظ نہ کیا گیا تو علاوہ ان مصائب کے جو ہندو پرستی کی بدولت اٹھانے پڑیں گے مسلمانوں کی جماعت کے انتشار اور ان کے اس نئے اختلاف کا وبال بھی آپ کی گردن پر ہوگا جو اس تحریک سے پیدا ہوا اگر جمعیت نے قانون شکنی میں گاندھی کی روش اختیار کی تو یقیناً مسلمانوں کے دو گروہ ہو جائیں گے اور آپس میں کٹ مریں گے۔ آپ کو نہایت دانائی سے کام لینا چاہئے۔ وما علینا الا البلاغ

پھر کیا ہوا؟

اس خط کا کوئی جواب نہ آیا نہ انہوں نے اپنی تجاویز ہی میں اس عظیم خطرہ کا کچھ لحاظ رکھا۔

نکل گئے تو پھر گاندھی اور لیڈروں کا جادو چل جانا کیا مشکل ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے شعارِ مذہب سے بیگانہ اور ہندوؤں میں جذب ہوتے چلے جاتے ہیں اس زمانہ میں وہ واقعات ظہور پذیر ہوئے جو قیاس میں نہیں آسکتے تھے۔ شریعت مطہرہ نے تمام کفار و مشرکین سے ترک موالات فرض کی ہے۔ کسی کافر کے ساتھ مودت و محبت وداد اور اتحاد روا نہیں رکھا لیکن لیڈر صاحبان آیاتِ قرآنی کو علانیہ ہنود کے حق میں نافذ نہیں مانتے۔ ان کی دوستی و اتحاد بلکہ ان کی رضا میں فنا ہو جانے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں اور عوام کو اسی غلط راستے پر لے چلتے ہیں جو شریعت و قرآن کے سراسر خلاف ہے اس کے تلخ ثمرات آئے دن نظر آتے رہتے ہیں اور دیندار مسلمانوں کو خون کے آنسو رلایا کرتے ہیں

کیا ستم ہے کہ آج خدام خلافت ایک نومسلم کو مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واخبار الفقیہ امرتسر ۵ مئی ۱۹۲۱ء کی اشاعت اخبار وطن سے نقل کرتا ہے کہ کلکتہ کی ایک مارواڑی نوجوان عورت نے مسلمان ہونے کے بعد گوپال گنج ضلع اعظم گڑھ کے ایک نوجوان مسلمان سے نکاح کر لیا جب دونوں میاں بیوی گوپال گنج گئے تو یہاں کے ہندوؤں نے مسلمانوں سے کہا کہ اس عورت کو ہمارے حوالے کرو ورنہ اتحاد و اتفاق پر پانی پھر جائے گا۔ مسلمانوں نے کہا کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ لیکن ہندوؤں نے نہ مانا۔ آخر زمانہ کی نزاکت کا خیال کر کے مسلمان اس عورت کے پاس گئے اور اُسے بہت کچھ سمجھایا کہ تم واپس چلی جاؤ تو پھر تمہارے وارث تمہیں اپنے مذہب میں شامل کر لیں گے لیکن اس عورت نے صاف انکار کر دیا بلکہ مسلمانوں کو شرمندہ کیا۔ خصوصاً ندوہ کے مولوی صاحب اور خلافت کمیٹی کے سیکرٹری کو کہا کہ کیا تم نے مسلمانوں کو اسلام سے فرار کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو خادمانِ اسلام و خلافت کہتے ہو، شرم کرو۔ مسلمانوں کی ناکامی پر ہندو براہ راست اس عورت کے پاس آئے۔ اسے بہت کچھ لالچ دیا اور ہر قسم کے آرام و آسائش کی توقع دلائی بصورتِ انکار اُسے بہت سی دھمکیاں دیں مگر اس مستقل مزاج عورت پر نہ کسی دھمکی اور نہ کسی لالچ کا اثر ہوا۔ ہندوؤں نے آخر تھانہ میں رپورٹ دی کہ ایک مسلمان برہمن لڑکی کو کلکتہ سے اڑا لایا ہے وہ اس کو بند کوٹھڑی میں رکھتا ہے اس کو گائے کا گوشت زبردستی کھلاتا ہے

تھانیدار صاحب بھی ہندو تھے وہ مددگار پولیس کو ہمراہ لے کر آئے اور اس عورت کے خاوند کو بہت دھمکایا۔ مگر عورت نے کہا کہ میں برضا و رغبت مسلمان ہوئی ہوں۔ میں نے اپنی مرضی کے ساتھ اس سے نکاح کیا ہے اور خود ہی اُسے اس کے وطن آنے پر مجبور کیا ہے۔ اس ناکامی پر فریق مخالف کو رنج تو بہت ہوا مگر وہ کوشش میں برابر رہے۔ آخر وہ کلکتے پہنچے اس کے وارثوں کو تلاش کر کے ہمراہ لائے اور صاحب کلکٹر خود گوپال گنج گئے۔ عورت نے بیانات دیئے جس سے انہیں یقین ہو گیا کہ عورت اپنی مرضی سے مسلمان ہوئی ہے اور فریق مخالف محض شرارتاً میاں بیوی اور اس موضع کے مسلمانوں کو تنگ کر رہا ہے۔ آپ فریق مخالف کو متنبہ کر کے واپس چلے گئے۔

تحریکِ پاکستان اور آل انڈیا سُنّی کانفرنس

آل انڈیا مسلم لیگ کی کوشش سے اسلامیانِ برصغیر ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔ ان کا یہ عزم ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار دادِ لاہور کی شکل میں منصۂ شہود پر آیا جس نے دس کروڑ اسلامیانِ ہند کو آزاد و خود مختار ریاست کے تصور سے نکال کر ایک ایسا زندگی بخش تصور دیا جو ان کی آزادی و استقلال، تہذیب و تمدن اور اقتصادی و معاشرتی ترقیوں کے لئے ضروری تھا آج مسلمانوں کا سر فخر سے اونچا تھا کل تک ایک حقیر ترین اور بے حقیقت اقلیت تھے لیکن مسلم زعماء کی جدوجہد سے دس کروڑ مسلمانوں کی ایک مضبوط و متحد اور منظم قوم بن گئی۔ اس موقع پر اس حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ آل انڈیا سُنّی کانفرنس کی تمام تر مساعی مسلم لیگ کے حق میں تھیں۔

مسلم لیگ نے قرار دادِ پاکستان کے ذریعے مسلم اکثریت کے صوبوں میں علیحدہ مرکزی حکومت کا مطالبہ پیش کر دیا تو اب وہ مسلمان جنہیں آل انڈیا سُنّی کانفرنس نے کانگرس اور نیشنلسٹ عالموں کے پنجے سے محفوظ رکھا تھا، اب وہ مسلم لیگ کے ہاتھ مضبوط کرنے لگے ادھر حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے یہ محسوس کرتے ہوئے آل انڈیا سُنّی کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا اور نظریہ پاکستان کو مستحکم کرنے اور ملک کی تقسیم کرانے اور علیحدہ اسلامی ریاست بنانے کے

لئے مسلم لیگ سے تعاون کرنے کی تلقین کی اور حضرت سید محمد نعیم الدین نے اپنے رفقاء کے ساتھ جون ۱۹۴۵ء کو ملک گیر دورہ کیا۔ پہلے آپ نے صوبہ بنگال کا دورہ کیا۔

راقم الحروف ان دنوں ۹۲ انڈین جنرل ہسپتال کومیلا میں تھا اور حضرت سید مولانا نعیم الدین مرادآبادی ۱۷ جون ۱۹۴۵ء کی شب کو آئے۔ اسے آر پی گراؤنڈ کومیلا میں آپ نے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا اور حاضرین سے پاکستان کے مطالبے کے لئے جد و جہد کرنے کا وعدہ لیا۔ اس سے کچھ دن پہلے متحدہ قومیت کے سرپرست مولانا حسین احمد دیوبندی اسی گراؤنڈ میں تقریر کر گئے تھے لیکن جو رونق حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کے اجلاس میں تھی وہ ان کانگرسی علماء کے اجتماع میں نہ تھی۔ اس کے بعد حضرت مولانا نے صوبہ مدراس، کاٹھیاواڑ، جوناگڑھ، راجپوتانہ، دہلی، یوپی، پنجاب اور بہار وغیرہ کے وقتاً فوقتاً دورے کئے۔ ۱۲ اگست ۱۹۴۵ء کو پلٹن میدان ڈھاکہ میں ایک عظیم الشان اجتماع میں مسلمانوں سے وحدت ملی اور قومی عزم کا عملی ثبوت دینے کے لئے پُرزور اپیل کی اور کہا کہ نجی اختلافات کو ختم کر کے اسلامی اخوت کا ثبوت دیجئے۔ کیونکہ مرکزی اسمبلی کا انتخاب شروع ہونے والا ہے آپ لوگ ہر حالت میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ آپ نے کہا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ کر کے ملک کی آزادی میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی یہ بالکل جھوٹ ہے کیونکہ یہ لوگ متحدہ ہندوستان کی آزادی چاہتے ہیں لیکن یہ نظام حکومت مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا جس کا مقصد "ہندو کی آزادی اور ہندو راج کا قیام ہو اور مسلمانوں کی غلامی ہو۔"

اس دورے سے واپسی پر آپ نے سُنّی کانفرنس کی تنظیم کو ٹھوس بنیادوں پر منظم کرنا شروع کر دیا۔ صوبائی، ضلعی اور قصباتی کمیٹیاں مقرر کر دیں۔ اس کے بعد آپ نے آل انڈیا سطح پر سُنّی کانفرنس کے اجلاس کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تحریک پاکستان کی پُرزور حمایت اور سُنّی کانفرنس کی تنظیم و احیاء کے سلسلے میں شب و روز کام کیا۔ لاکھوں کی تعداد میں مراسلات اور تار بھیجے گئے۔ اس سلسلہ میں چند خطوط درج ذیل ہیں جو حیات صدر الافاضل سے نقل کئے گئے ہیں۔

بنام حضرت مولانا ابوالحسنات قدس سرہٗ صدر پنجاب سُنّی کانفرنس

مکتوب گرامی نمبر ۱

حضرت مولانا المحترم اکرم الاکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حج و زیارت کی تہنیت مبارک۔ تشریف آوری کی اطلاع کا منتظر رہا۔ وقت پر خبر نہ ہو سکی۔ اب بھی آپ کے دیدار کا مشتاق ہوں۔ سردی زیادہ ہے۔ تنفس کا مرض ہے جس وقت بھی افاقہ ہوا اور موقع ملا آپ کے دیدار و برکات سے لطف اندوز ہونے کا مقصد رکھتا ہوں۔ ملک بھر میں سُنّی کانفرنسیں قائم ہو گئیں اور ہو رہی ہیں۔ پنجاب سُنّی کانفرنس آپ کے ورود مسعود کے لئے چشم براہ ہیں دنیا میں تمام جماعتیں بیداریں کیا سُنیوں ہی کی قسمت میں خواب غفلت ہے۔

امید یہ تھی کہ آپ حضرات کے اثر و اقتدار سے پنجاب کی سُنّی کانفرنس تمام صوبوں پر فائق ہو گی مگر ابھی تک جمود ہی نظر آ رہا ہے۔

برادرم چشم عنایت کو کام فرمائیے اور تھوڑا سا وقت اس اہم دینی خدمت کی نذر کیجئے مولانا ابوالبرکات مولوی سید احمد صاحب سے سلام مسنون کے ——— بعد یہی مضمون عرض کر دیجئے

والسلام

سید محمد نعیم الدین عفی عنہٗ

تاریخ ....

مکتوب نمبر ۲

عزیز محترم سلمہٗ! دعوات دارین و سلام مسنون کے بعد مکشوف ہو۔ آپ کا خط مسرت نمط ملا۔

لہ سُنّی کانفرنس اور اس کی بے مثال کارگزاریوں کے لئے کتاب "خطبات سُنّی کانفرنس" مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات دیکھئے۔ اس میں خطبات کے عکس شامل کر دیئے گئے ہیں۔ (ادارہ)

ماشاءاللہ آپ کا جذبہ معلوم ہوکر نہایت خوشی ہوئی۔ آپ نے جمہوریت پنجاب قائم فرمائی۔ جزاکم المولیٰ تعالیٰ آپ نے جو خط چھاپا ہے۔ اس کی دو سو چار سو جس قدر آپ کا پہاں عنایت کرسکیں فوراً بھیج دیجئے دیوان صاحب اجمیر شریف کی تشریف آوری کا اندراج سہواً ہوگیا۔ اس کی اصلاح درکار ہے۔

استفسارات کے جواب ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کا نام "جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ" ہے۔ یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی۔ ایک ایوان عام۔ ایک ایوان علماء۔ ایوان علماء کا نام "جمہوریت عالیہ" ہے۔ آپ دستور اساسی طبع کرانے کے مجاز ہیں۔ اگر چھپوائیں تو دو ہزار یہاں کے لئے بھی چھپوالیں۔ مصارف ادا کئے جائیں گے۔

۲۔ دستور پر نظر ثانی کرکے بعد اصلاح ارسال کیا جاتا ہے۔

۳۔ روداد ابھی طبع نہیں ہوئی، مرتب کی جارہی ہے۔

۴۔ خطبۂ استقبالیہ طبع ہورہا ہے صوبائی جمعیتیں اس کی جس قدر کاپیاں چاہیں گی مناسب قیمت پر دی جائیں گی۔

۵۔ پاکستان کی تجویز سے "جمہوریت اسلامیہ" کو کسی طرح دست بردار ہونا مناسب نہیں خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ وزارتی مشن کی تجاویز سے ہمارا مدعا حاصل نہیں ہوتا۔

۶۔ روزانہ اخبار کی ضرورت ہے ابھی اس کے لئے کوئی باہمت تیار نہیں عزیزی مولانا مولوی سید احمد صاحب سلمہ سے سلام مسنون فرمادیں۔

والسلام

سید محمد نعیم الدین عفی عنہ

تاریخ ....

مکتوب نمبر ۳

عزیز القدر سلمہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ پاکستان کو شرعی پابندیوں کے ساتھ وجود میں لانا کسی طرح قابل اعتراض

نہیں ہوسکتا۔ صوبائی کانفرنس جلد قائم ہونی چاہیئے مگر اس کے ماتحت اضلاع کی اور ان کے ماتحت مضافات جمعیتیں قائم ہوسکیں اور اس نظام کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے موثر مساعی عمل میں لائی جاسکے۔ الیکشن کے موقع پر کانگریس کے حق میں رائے دینے سے مسلمانوں کو روکنا بالکل بجا ہے اور اس میں کوئی بھی تامل نہیں مگر اس سے آگے قدم بڑھانے کی اجازت میں آپ کو نہیں دیتا اور آگے بڑھنے میں ہمارے اپنے مفاد خلل پذیر ہوتے ہیں۔ جوش میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا مردانگی ہے۔

مولوی ..... صاحب کے بچہ کو مولیٰ سبحانہٗ صحت عطا فرمائے۔ میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں۔ براہ کرم مجھے اس کی صحت سے مطلع فرمایئے ....

والسلام

(دستخط) سید محمد نعیم الدین عفی عنہ

تاریخ ....

مکتوب گرامی نمبر ۴

عزیزی سلمہ دعوات وافرہ سلام مسنون!

فوری طور پر ایک اطلاع دے دی گئی تھی جس میں نئی وبا کا علاج مقصود تھا۔ اس کی مکمل تجویز طبع شدہ آپ کے پاس خطبۂ صدارت کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ آپ کے خیال میں جو راہ اختیار کی وہ ماحول پر نظر کرتے ہوئے کچھ بعید نہیں جس میں اب تک آپ ہیں اور رائے جیسی بھی ہو اس کا اظہار میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ سنی کانفرنس کے شرکاء کی تعداد کروڑ سے تو ضرور متجاوز ہوچکی ہے تو آپ کی رائے میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد میں کون عقل ودماغ والا انسان ہے! اس میں علماء بھی ہیں، انگریزی داں بھی ہیں۔ اگر سب طبقے ناکارہ ہیں، صرف چار آدمی ایسے قابل ہیں

جو سیاست کی گاڑی چلا سکیں تب تو مسلمانوں کو صبر کرکے بیٹھ جانا چاہیئے۔ میرے نزدیک تو اللہ کے فضل سے مسلمانوں میں بہت سے سمجھ دار لوگ ہیں جو اس کام کو خوبی سے کر سکتے ہیں اور ان میں سے خود آپ بھی ہیں اس وقت جو کونسلیں حکمرانی کر رہی ہیں ان کے ارکان پر نظر ڈالیئے، کیسے کیسے بے علم ہیں اور آپ کے علاء میں بھی اللہ کے فضل سے ہر قابلیت کے لوگ موجود ہیں یہاں تو مدعا ہی اور تھا۔ بہر حال آپ غور کر لیجئے جو مضمون خط میں لکھا ہے۔ اگر آپ کی رائے میں مناسب ہو تو تار کے ذریعے سے بھیج دیجئے اور آپ کی ملاقات یقیناً فائدہ بخش اور ضروری اور اس کی بہتر تدبیر یہ ہے کہ ۳،۲، ۴ شعبان ۱۳۶۵ھ کو جامع نعیمیہ کے سالانہ جلسے ہیں اور اس کے ساتھ سنی کانفرنس کے اجلاس بھی ہیں۔ حضرت محدث صاحب بھی تشریف فرما ہوں گے اور علما بھی ہوں گے۔ آپ دونوں بھائی تشریف لائیں تو بہت اچھا موقع گفتگو کا ملے گا۔ سفر خرچ تشریف آوری پر حاضر کیا جائے گا۔ آپ کے استفسارات کے جوابات اور آپ کے جواں مردانہ عمل پر مسرت کے اظہار میں آپ کا خط پاکر لکھ چکا ہوں۔ تعجب ہے کہ آپ کو وصول نہیں ہوا۔ دستور اساسی چھاپنے کی قطعی اجازت ہے۔

خطبہ صدارت آپ ملاحظہ فرمائیں اس میں کچھ کم نہیں کیا گیا ہے۔

والسلام

(دستخط) سید محمد نعیم الدین عفی عنہ

تاریخ ....

۱۹۴۶ء کے آغاز میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس مراد آباد میں بلایا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ کانفرنس کا ایک تاریخی اجلاس بنارس میں مورخہ ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو تحریک پاکستان کے حق میں بلایا جائے اس اجلاس کی کامیابی کے لئے حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی نے جو رات دن کام کیا۔ اس سے آپ کی صحت پر بہت برا اثر پڑا۔ اجلاس ایسا کامیاب ہوا کہ پاکستان کے حصول میں جو پانچ سال اور لگتے اس کو پانچ سال پہلے ہی منزل مقصود تک پہنچانے میں

کامیابی حاصل کرلی۔

اس کانفرنس میں پانچ صد مشائخ سات ہزار علمائے کرام اور دو لاکھ سے زائد عوام نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے لندن سے آئے ہوئے، وزارتی مشن لارڈ کرپس وغیرہ کو بھی اس اجلاس میں شرکت کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے اجلاس کے آخر میں اپنی مصروفیت کی بنا پر عدم شرکت پر معذرت کا تار بھیج دیا۔ اس جلسے کی مختصر روداد حضرت محدث کچھوچھوی کے تذکرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اجلاس کے اختتام پر مشائخ عظام کا ایک نورانی قافلہ زیر قیادت حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی انبالہ، لدھیانہ اور جالندھر سے ہوتا ہوا امرتسر پہنچا جس کا بیان حضرت مولانا غلام محمد ترنم کے تذکرہ میں آئے گا۔ اس کے بعد پانچ چھ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ کو آل انڈیا سنی کانفرنس کا ایک ہنگامی اجلاس اجمیر شریف سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کے موقع پر بلایا گیا اس اجلاس کے روح رواں حضرت حکیم سید محمد نعیم الدین مراد آبادی تھے اور اجلاس کی چند جھلکیاں حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تاریخی تقریر حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی ایک تاریخی تقریر جو آپ نے ۱۹۴۶ء میں ایک جلسہ بمقام بھوماوڈالہ ضلع امرتسر میں فرمائی۔ آپ نے تحریک پاکستان کی تمام مخالف جماعتوں کی اسلام دشمنی اور دین فروشی کا کھلے بندوں ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ اگر قائد اعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ مطالبۂ پاکستان سے دستبردار بھی ہو جائے تو آل انڈیا سنی کانفرنس اس نیک مقصد کو حاصل کئے بغیر نہیں رہے گی۔

اور تمام حاضرین جلسہ سے اس قرارداد کے حق میں رائے لی اور تمام جلسہ گاہ سے لبیک لبیک کی آوازیں گونج اٹھیں۔ پاکستان کا حصول آپ کا جزو ایمان بن چکا تھا۔ اگر کوئی مسلمان اس نظریہ کی مخالفت کرتا تو اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہتے کہ خدارا ایسی بات نہ کہیں کہ کہیں یہ الفاظ آپ کے نامۂ اعمال میں نہ لکھے جائیں اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کو جواب دہ ہونا پڑے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریک پاکستان سے آپ کو دلی عشق تھا اور یہ انہی لوگوں کی محنت اور دعاؤں کا ثمر تھا کہ چند ہی سالوں میں برصغیر کے خستہ حال اور منتشر مسلمان گروہ کو اللہ تعالیٰ نے پاکستان جیسی عظیم نعمت سے نوازا۔ آج پھر اسلامیان پاکستان ان جیسی نورانی ہستیوں کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء، حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حضرت مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی صدر آل انڈیا سنی کانفرنس حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی نائب ناظم اعلیٰ اور حضرت حکیم مفتی غلام معین الدین نعیمی جنرل سیکرٹری آل انڈیا سنی کانفرنس ماہ مارچ ۱۹۴۸ء دہلی سے بذریعہ طیارہ پاکستان تشریف لائے یہاں انہوں نے اسلامی دستور کے نفاذ کے لئے قائد اعظم اور نوابزادہ لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان اور دوسرے مقتدر افراد کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔

انہی دنوں آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو فوراً پاکستان چھوڑ کر مراد آباد واپس جانا پڑا اور ان صاحبان سے وعدہ فرمایا کہ دستور اسلامی مرتب کر کے بھیج دوں گا۔

ہندوستان کی واپسی کے لئے جب آپ والٹن لاہور ہوائی اڈہ پر تشریف لائے تو پاکستان کے علمائے کرام اور سیاسی لیڈروں کا جم غفیر والٹن ہوائی اڈہ پر آیا۔ آپ کی حالت دیکھ کر تمام لوگ چشم پُرنم تھے اس وقت راقم الحروف بھی ہوائی اڈہ پر موجود تھا آپ کی حالت سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ کا پاکستان میں یہ آخری دورہ ہے ہندوستان پہنچنے کے بعد کچھ طبیعت سنبھلی تو آپ نے پاکستان کے دستور اسلامی کی تدوین و ترتیب شروع کر دی۔ دستور کی تیاری کے لئے مختلف اسلامی ممالک کے دساتیر و قوانین کے مسودے جمع کئے اسلامی دستور کے خاکہ کے لئے چند ہی دفعات لکھی تھیں کہ آپ کی صحت دوبارہ جواب دے گئی۔

وفات مورخہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء بروز جمعہ صبح ہی سے آثار اس قسم کے رونما ہو رہے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ تحریک پاکستان کا مجاہد اور اسلامیان برصغیر کا پیشوا ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہا ہے۔ رات کے ٹھیک ۱۲ بج کر پچیس منٹ پر آپ اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف تشریف لے گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن

تصانیف ۱۔ تفسیر خزائن العرفان ۲۔ اطیب البیان ۳۔ الکلمۃ العلیاء ۴۔ سیرت صحابہؓ (وسیلہ اجلیلہ) ۵۔ سوانح کربلا اردو ۶۔ کشف الحجاب عن مسائل ایصال ثواب۔ ۷۔ التحقیقات لدفع التلبیسات ۸۔ اسواط العذاب ۹۔ کتاب العقائد اردو ۱۰۔ گلبن غریب نواز ۱۱۔ زاد الحرمین (مسائل حج و زیارت) ۱۲۔ آداب الاخیار وغیرہ [1]

---

[1] حضرت صدر الافاضل علیہ رحمتہ کے حالات کے سلسلے میں حیات صدر الافاضل از مولانا غلام معین الدین نعیمی اکابر تحریک پاکستان تالیف جناب محمد صادق قصوری دیکھی جائیں۔ حضرت صدر الافاضل پر جناب راجہ رشید محمود ایم اے ایک جامع کتاب لکھ رہے ہیں جو اس عظیم شخصیت کے شایان شان ہو گی۔ (مرتب)

حضرت ابوالمحامد سیّد محمّد محدّث کچھوچھوی

رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے حالات زندگی کتاب "سات ستارے" جلد سوم میں دیئے جائیں گے[1] اس جگہ صرف آپ کی سیاسی سرگرمیوں اور تحریک پاکستان میں آپ کی قربانیوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ قصبہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد کے آستانہ اشرفیہ کے عظیم عالم، بے مثال مقرر اور آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر تھے۔ آپ اپنے نانا قدوۃ السالکین حضرت علی حسین اشرفی کچھوچھوی قدس سرہ کے خلیفہ تھے اور اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے۔ آپ نے گاندھی کی تحریک متحدہ قومیت کے مکر و فریب کا بھانڈا پھوڑا۔ اور کانگرسی عالموں کی بدعتوں اور گمراہیوں کا پردہ چاک کیا اور آپ نے گستاخ ہندوؤں کا سر کچلنا اپنی زندگی کا نصب العین بنا رکھا تھا۔ آپ تحریک پاکستان اور دو قومی نظریہ کے صف اوّل کے راہنما تھے۔ مجھے ان سے ذاتی طور پر ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ پہلی بار ماہ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس کانفرنس میں، دوسری بار جب آپ ۱۹۵۵ء میں اعلیٰ حضرت سر صادق محمد خاں خامس عباسی جنت آشیاں امیر آف بہاولپور کی دعوت پر ڈیرہ نواب صاحب تشریف لائے ڈیرہ نواب صاحب میں آپ نے معراج شریف پر وعظ فرمایا۔ آپ کی تقریر کیا تھی ایک سمندر امڈا چلا آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت امام فخر الدین رازی دوبارہ زندہ ہو کر ہم سے مخاطب ہیں۔ آپ کا طرز بیان پُر مغز اور

---

[1] آپ کے حالات زندگی کے لئے "اکابر تحریک پاکستان" حصہ اوّل مصنفہ محمد صادق قصوری دیکھے جائیں (ادارہ)

سکھا رہا تھا۔ ہم یہاں آپ کی ایک تقریر جو انہوں نے پاکستان کے حق میں کی تھی درج کرتے ہیں۔

خطبۂ صدارت آل انڈیا سُنی کانفرنس اجمیر شریف

آل انڈیا سُنی کانفرنس کے سالانہ اجلاس مسجد شاہجہانی درگاہ معلیٰ اجمیر شریف میں ۵-۶ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء میں حضرت مولانا سید محمد صاحب محدث اعظم ہند کچھوچھوی نے اپنے خطبۂ صدارت میں سامعین سے فرمایا۔

امابعد! مشائخ کرام، علماء اعلام و برادران اسلام! اللہ اللہ کیسی مبارک گھڑی ہے اور کیسا مبارک مقام اور کس قدر بلند مقصد آج اور اس وقت میسر ہے کہ اگر اس ساعت حیات کی برکتیں تمام زندگی کے لمحات کو تقسیم کر دی جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ سب کا بیڑا پار ہو جائے گا۔ یہ شاہجہانی مسجد ہے جس کی بنیاد سے لے کر چوٹی تک جدھر نظر کیجئے تو اس عقیدت مندی کی صاف شفاف و سفید جھلک موجود ہے جو ہمارے تخت و تاج والے حکمرانوں کو دلق و گلیم والے فرمانرواؤں سے تھی۔ لال قلعہ دہلی کے تخت طاؤس پر جو سر سب سے اونچا نظر آتا تھا وہ سب سے زیادہ جھکنے والا خاک پاک اجمیر میں دکھائی پڑتا تھا۔ سلطان السلاطین شہنشاہ کا لقب خواجۂ خواجگان کی جاروب کشی نے بخشا تھا۔ بحر اخضر عامرہ والے لعل و جواہر گدڑی والوں سے مانگ کرے جاتے تھے۔ نبرد آزماؤں کی تلواریں گوشہ نشینوں کی چوکھٹ پر تیز کی جاتی تھیں۔ کلغی والوں کی کلغیاں ننگے توے والوں کے توے چوما کرتی تھیں۔ آنکھوں والوں کے لئے سرمۂ سعادت اہل بصیرت والوں کی خاک پا ہوتی تھیں۔ تدبیر والوں کی تقدیریں دعا والوں کی دعاؤں سے سنواری جاتی تھیں۔ جانبازوں اور خطرات کی توپوں کے دہانوں پر سینہ رکھ دینے والوں کی زرہیں "نصر من اللہ و فتح قریب" پڑھ کر مژدۂ نصرت و فتح دینے والی بشارتوں سے بنتی تھیں۔ جزم والوں کو آہنی عزائم، ذکر حدادی والے عطا فرماتے تھے۔ سرکوبیوں کے طریقے ذکر اّرہ والوں سے سیکھے جاتے تھے پتیرے والوں کے پتیرے نظر بر قدم اور قدم بر نظر والوں کے کنٹرول میں تھے۔ ہوشیاری و باخبری کی تعلیم

پاس انفاس والوں کے سپرد تھی۔ ہمت و استقلال کی بھیک دل والوں سے مانگی جاتی تھی۔ عواقب و نتائج کی باگ ارباب کشف و شہود کے ہاتھوں میں رہتی تھی۔

جہانگیری تزک اور عالمگیری کے تہوّر کا دار و مدار بوریا نشینوں پر تھا۔ اکبری آئین آئین ربانی والوں کی دربانی کرتے تھے اور شاہجہانی حوصلہ کی تعمیر شاہ گر درویشوں کے ہاتھ میں تھی۔ مرشد کے دروازے عالم ملکو کے سر کرنے والے ہاتھ میں خرقہ پوشوں کا دامن رہتا تھا۔ فقیروں کی خانقاہوں میں راعی اور رعایا ایک پوزیشن رکھتے تھے۔ اخوّت و مساوات حریت و مودّت کا آخری فیصلہ مرشد برحق کا ارشاد حق تھا۔ آنکھوں میں دیکھنے کی صلاحیت تھی۔ گداؤں کو شاہوں کی معرفت تھی۔ محتاجوں نے حاجت روائی کے دروازوں کو پہچان لیا تھا۔ شیر و شیر کی تجنیس خطّی سے دھوکا نہیں ہوتا تھا۔ اولیاء کی ہمسری کا خواب بھی جرم عظیم تھا۔ دہلی و اجمیر کی درمیانی دراز مسافت اور راجپوتانہ کی سنگلاخ زمین اور پیچ پیچ پہاڑیاں بھی حقیقت کو پردہ میں نہیں چھپا سکتی تھیں اور دہلی کا قطب الاقطاب جہاں سے اپنے بخت کی یاوری اور عالم غائب کے روحانی "کاک" حاصل کر چکا تھا۔ وہیں سے مغل تاجداری اپنی حکمرانیوں اور جہانبانیوں کی سند پاتی تھی۔ اس شاہجہانی مسجد کے سنگ سنگ سے پوچھو کہ شاہجہاں نے کس طرح مرمر سے سعادت حاصل کی کہ اس کی اس تعمیر پر شبانہ روز سلطان اولیاء کی نظر ہے جس کی بدولت ان گنت عارفوں نے معبود برحق کے یہاں تعبّدی سجدے کئے اور بے شمار ملائکہ کی یہ بروقت گذرگاہ ہے۔ اینچ اینچ پر یاد الٰہی کی یادگاریں ہیں سچ تو یہ ہے کہ مقام کے تقدّس کا خیال کر کے یہاں پاؤں رکھتے ہوئے کلیجہ تھرّاتا ہے اور سر کے بل چلنے کا دل تڑپتا ہے۔ یہ تو خانۂ خدا اور سجدہ گاہ کا حال ہے اور وہ سامنے سلطان السلاطین کا دربار اور خواجۂ خواجگان کی سرکار ہے۔ آفتاب ولایت کی ضیاء باریاں اور ماہتاب کرامت کی نور پاشیاں ہیں فیض و کرم کا چشمہ ابلا پڑتا ہے اور یہ غریب نوازوں کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ قدرو بیاں چرخ اگر آنکھوں سے اوجھل ہیں تو سرستان زمین کا میلہ دیکھ لیجئے سبحان اللہ! کیسی شمع ولایت ہے کہ پروانہ وار فدا ہو رہی ہے۔ کیسا مالک تخت و تاج

ہے کہ ایک زمانہ جس کا محتاج ہے جس کو ہم امیر کہتے ہیں وہ یہاں کا فقیر ہے اور جس کو ہم فقیر جانتے ہیں وہ یہاں کا دامن گیر ہے۔

سلطان کا سلطان، بادشاہوں کا بادشاہ، غریب نوازوں کا غریب نواز، خواجوں کا خواجہ ساقیوں کا ساقی، یاروں کا یار، پیوں کا پیا، محبوبوں کا محبوب، دیکھئے دیکھئے سنہری کلس ہے کہ نور کا مگر قبہ؛ بیٹھا ہے کہ نور ظہور کا تڑکا ہے۔ تجلیوں کے خواجہ تیری ایسی تجلیاں، اے قدرت نمائیوں کے داتا! تیری یہ کار فرمائیاں آنکھوں میں چکاچوند ہے، دل سرشار ہے، دماغ خدا جانے کہاں پہنچا ہوا ہے۔ آسمان کا تارا تارا چمنستان دہر کا پتہ پتہ، زمین کا ذرہ ذرہ، حاضرین کا ہر چھوٹا بڑا میری روح کی گہرائیوں کا گوشہ گوشہ، میرے جسم کا رونگٹا رونگٹا کس مزے میں زبان حال سے گویا ہے کہ

معینا دستگیرا پادشاہا مرشدا خواجہ
طفیل رحمۃ للعالمین چشم کرم برما

آج رجب شریف کی چھٹی شب ہے، ہندوستان بھر میں چشتی عہد ہے۔ یار حقیقی سے وصال خواجہ کی تاریخ ہے۔ عرس شریف کا دن ہے۔ خواجہ بزرگ کی یادگار ہے۔ قرآن کریم کی زبان میں ایام اللہ میں سے ایک متبرک یوم ہے۔ وحی الٰہی کی شہادت ہے کہ خاصان حق مقبولان درگاہ مطلق کا یوم ولادت و یوم وصال و یوم حشر تعین تاریخ کے ساتھ ابرتی سلامتیوں اور ربانی رحمتوں کی بارش لایا کرتے ہیں، اسیران نفس و معصیت کو رہائی دی جاتی ہے۔ اپنے رب سے پانے والے بے حساب پاتے ہیں اور بے تحاشا بانٹتے ہیں۔ کمائی والے زیادہ سے زیادہ اجر یہیں حاصل کرتے اور اپنے وابستگان کو عطا فرماتے رہتے ہیں ان بے شمار نعمتوں میں سے یہی ایک کیا کم ہے کہ آنکھیں ملتی ہیں آنکھوں کو بینائی ملتی ہے۔ بینائی کو تیزی بخشی جاتی ہے۔ "ما زاغ البصر و ما طغیٰ" کا مصداق ہوتا ہے۔ اسلام کی بخشی ہوئی تیز نگاہی کی حفاظت کا سر رہ ملتا ہے۔ دنیا کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ قوموں نے اپنے گرد و پیش آگ، مٹی پانی کو دیکھا تو آنکھیں تھک گئیں اور حقیقت تک باریاب نہ ہو سکیں، عقلیں سوختہ ہو گئیں۔

ہوش مندی ڈوب کر مر گئی۔ انسانی شرافت خاک میں اور فہم و فراست ہوا ہو گئی۔ آسمان کی طرف آنکھیں
اٹھائیں اور چاند سورج اور ستاروں سے آگے نہ بڑھیں اور چکا چوند ہو کر رہ گئیں۔ یہ آتش پرستی
اور گنگا پوجا، یہ بت پرستی یہ ہوائی اوہام نگاہوں کی کمزوریاں نہیں تو کیا بلا ہیں! چاند ملا پوجا، گرہن
پوجا اور ستاروں کی پرستش اندھا پن نہیں تو اور کونسی لعنت ہے، لیکن اسلام کی تیز نگاہی اللہ اکبر!
آثار کو دیکھ اور مؤثر کا یقین آیا۔ افعال سامنے آئے اور "فعال لما یرید" کی قدرتیں نظر آنے لگیں۔
صفات کی تجلیات نے ذات کی طلب پیدا کر دی۔ اجرام فلکیت کے پردے چاک کر دیئے
استحالۂ خرق والتیام کے نظریہ کا استحالہ کر دیا اور جاتے جاتے نگاہیں حقیقت تک پہنچ گئیں۔
شیدائے جمال کعبہ جس کے حجر میں آج تک سیہ پوشی ہے اور عرش عظیم کی پہنائیاں جس کی
اب بھی جویاں ہیں۔ اسلامی آنکھ نے لذت دید سے سرشار ہو کر اس کو اپنے دل میں رکھ لیا۔ یہ
اس اسلامی تیز نگاہی کی کرامت ہے کہ خواجہ خلوت کدہ قبر میں پردہ نشین ہوئے۔ قبر کو تعویذ قبر
نے چھپایا۔ تعویذ قبر نے غلاف کی چادر اوڑھ لی۔ ان سب پر گنبد آکر چھا گیا لیکن اسلامی آنکھ
کے لئے کسی چھپانے والے نے خواجہ کو چھپا لینے میں کامیابی حاصل نہ کی۔ تعویذ قبر پر رخسار رکھ
دینے والوں اور غلاف قبر کو سر پر رکھنے والے آنکھ والوں سے کہ ان سب کالا ہیں اور قبر کا مقبور
کس کو پایا اور اگر پیش نظر نہیں تو لباس میں کیا رکھا ہے اور اگر مقبور پر نگاہ نہیں تو قبر میں کیا دھرا ہے۔
یہ وہابیت کا اندھا پن ہے کہ ٹوٹتے ٹوٹتے قبر تک پہنچ گیا تو خاک پتھر کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا۔
اور محروم ازلی ہو کر رہ گئی اور یہ اسلام کی تیز نگاہی ہے کہ قبر کو مقبور سے نسبت بخشی اور کفار کی قبروں
کو اکھاڑ دینے کی اجازت دی کہ کفر و کفار کو کسی احترام کا حق نہیں۔ مومن کی قبر پر آقا و مولیٰ حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم پاک رکھنا گوارا نہ فرمایا۔ جن کے تلووں کے نیچے ایمان والوں کی آنکھیں
ہیں تو پھر مقبولان بارگاہ کی قبروں کا کتنا رتبہ ہوا یعنی وہابیت کہتی ہے کہ قبر کو دیکھو اور اسلام کہتا ہے
کہ مقبور کو دیکھو۔ یہ تو ہم مسلمانوں کا روزمرہ ہے کہ قرآن شریف کو تلاوت کے لئے اور پہلے جزدان
کو چوم لیا پھر جلد کو چوما اور کھول کر تلاوت میں لگ گئے۔ یہ جزدان کے کپڑے کو نہیں چوما یہ

جلد کے چمڑے کو نہیں چوما۔ بلکہ جزدان کے اندر جلد میں چھپنے کے قابل چیز ہم کو پہلے ہی
نظر آ گئی اس کو چوم لیا دال کو نہیں چوما۔ مدلول کو چوما یا مدلول سے دال کی جو نسبت ہے اس
کو چوما۔ ہاں ہاں غلاف قبر کو کوئی نہیں چومتا۔ اس کی اس نسبت کو چومتا ہے جو مقبور سے اس
کو حاصل ہے۔

ہاں تو میں پھر دہراتا کہ یہ کتنا مقدس مقام اور کس قدر اہم ایوان اور کتنی خاص تاریخ تعمیر
ہے۔ زمان و مکان کی شرافت پوری پوری موجود ہے اور بعونہ تعالیٰ امتحان کی شرط بھی موجود ہے
ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم گنہگار نہیں، سیاہ کار نہیں، خطا شعار نہیں۔ لیکن ہاں ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں
کہ ہم باغی نہیں، ہم غدار نہیں۔

زمانہ میں روشنی کے نام پر الحاد کی تاریک آندھیاں چلیں۔ دین فروشوں نے دین کے
نام کو پیٹ کا دھندا بنایا۔ کھلے بازار میں ملت فروشی کی جا رہی ہے۔ ضمیر فروشی قوم فروشی کا بلیک
مارکیٹ قانون کی زد سے بھی آزاد ہے۔ نام دار العلوم رکھا اور کام دیو یا مندر کا کیا نام پوچھو تو اکابر
بتائیں اور کام دیکھو تو **غلاموں کی غلامی پر اترائیں، یا رسول اللہ** سن کر گھبرائیں اور
بندے ماترم کا ترانہ گائیں نعرۂ تکبیر سے الجھیں اور اپنے **باپو کی جے** منائیں۔
مسلمانوں سے بیزار اور **مشرکوں کے علمبردار** اب **تو تہذیب** کا رنگ ایسا چڑھا ہے کہ پہچاننا
دشوار کہ مولوی جی ہیں یا مالوی جی ہیں گرے **خواجہ** تیری خواجگی کے قربان کہ تیرے مست
تیرے ہی رہے۔ تیری تعلیم تیرے پیغام سے ایک اینچ نہ ہٹے۔ چودہ سو برس کی پرانی لکیر کے
فقیر بنے رہے۔ مشرک کے پاؤں پر توحید کو کھڑا نہیں کیا اور کسی قیمت پر اپنے دین کو نہیں بیچا نہ
یورپ کی چال ان پر چلی نہ دہریت کی سرمایہ داری کا جال ان کو پھنسا سکا۔ یہ **خواجہ** کی دہائی دینے والے
یہ میلاد و قیام والے یہ نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت والے اسی مقام پر رہے جہاں خواجہ کی کرامت
نے ان کو کھڑا کر دیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کیسے اچھے ستھرے خواجہ والے غوث والے
اخوان میرے سامنے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارا مقصد بھی نہایت بلند پایہ ہے۔ آج ہمارا اجمیر
بن رہا مقصد ہے جو چشت کے راجہ کو صدیوں پہلے اجمیری لا چکا تھا۔ جس نے جیلان والے
غوث کو بغداد کو پہنچایا ہے جس کے لئے اللہ کا حبیب مدینہ اور پھر مدینہ سے فاتحانہ شان کے
ساتھ مکہ پہنچا جس مقصد کا مختصر اور صاف نام خدا کے دین کے پیغام اور اس دیانتداری کی آزادی
ہے۔ ذرہ ذرہ کو مسلم بنانا اور اسلام کے پرچم کو آزاد رکھنا ہے اور انسانی آبادی کو پاکستان بنانا
ہے ہمیں اپنے خواجہ سے یہی کہنا ہے کہ زمانہ اب روشنی کی اہمیت و استعداد کو نہیں بلکہ کیڑے
کوڑوں کی کثرت تعداد کو دیکھتا ہے۔ گوبر پیشاب والوں کو پوتر اور اللہ کے پاک بندوں کو ملیچھ کہا
جاتا ہے جن غداروں کو زمین پر قدم رکھنے کا حق نہیں۔ ان کو دیسی اور جن کے لئے زمین پیدا کی
گئی ان کو بدیسی کا لقب دیا جاتا ہے۔ فلسطین میں ذلت کے ماروں اور بے مسکن آواروں کو
مسلمانوں کے سینہ بسایا جا رہا ہے کعبہ میں فریضہ حج پر ایک ایک ہزار کا ٹیکس لگایا جا رہا ہے
انڈونیشیا کے مسلمانوں پر بے رنگی آزمائی جاری ہے اور بڑا غضب یہ ہے۔ خواجہ کہ آپ
کا پڑھایا ہوا کلمہ پڑھتے ہوئے کچھ ملت فروش دستار کے شملوں کو چوٹیوں پر، شلواروں کی چوٹیوں
پر صرف چند ٹکوں کے لئے نچھاور کر چکے ہیں۔ نہرو والوں نے دوبارہ ایک نہرو بنالیا ہے اب
اب ایک جیپال نہیں بلکہ جیپالوں کی پلٹن ہوگئی ہے اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ خواجہ
والے مسلمان یعنی سنی مسلمان کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔

اے میرے خواجہ! آپ کے وفاداروں نے آپ کے اللہ اور آپ کے رسول
اور آپ کے اعوان اولیاء کے خلاف آوازے سنتے اور گستاخوں کے جبّہ و دستار سے ڈرے
اور نہ فرش کی آرائش سے مرعوب ہوئے اور صرف اس لئے ان کو چھوڑ دیا کہ بے ان کو چھوڑ
دے۔ اے خواجہ آپ کا دامن چھوٹا جاتا تھا جو کسی طرح قابل برداشت نہ تھا شاید ہماری
یہی ایک نیکی کام آئی اور اسی وفاداری پر خواجہ کو رحم آگیا کیونکہ بلاشبہ ہندوستان میں یہ ولی الہند ہی
کی کرامت ہے کہ ہمارے ان راہنماؤں کو بیداری بخشی جن کو راہنمائی کی سند زبان دی سے

لی ہے۔ اب ان کی نظر ہماری کمزوریوں پر نہیں بلکہ اپنے بازو کی قوت پر پڑنے لگی۔ وہ راہنما
کون ہیں؟ وہ بھی ہمارے پیر ہمارے علماء اہل سنت وجماعت سارے پیر خانقاہوں کی چار دیواریوں
سے نکل پڑے اور میدان میں ڈٹ گئے سارے علماء مدرسوں سے باہر آکر کھڑے ہوگئے اور ارادہ
کرلیا کہ ٹوکرے دار شہتوں میں رہتے ہوؤں کو منایا جائے ان کو مبلغ بنا کر ذمہ داری دی جائے کرنے سے
پہلے فی کس دس خوبیں تو ایک غیر مسلم کو ضرور مسلمان کرتا ہے ان کو تعلیم دین سے آراستہ کرکے ان کے
علم کو ان کے عمل کو آن کے اخلاق کو پاک کردیتا ہے تاکہ جہاں وہ قدم رکھیں پاکستان ہو جائے
اب ایسے مدارس ناقابل برداشت ہیں جو سُنیوں کی جیب پر ڈاکہ ڈالیں اور سُنیوں کے مفاد سے لڑتے
رہیں اور سُنیوں میں انتشار پیدا کریں اب تمام سُنی مدارس کو ایک نظام میں لاکر ان میں تعلیم و تربیت کی
یکسانیت پیدا کرتی ہے۔ دارالقضاء، دارالافتاء سب کو مرکزی شان سے چلانا ہے۔ خانقاہوں کو
آراستہ کرنا ہے اور ان میں تبلیغ و تعلیم کی روح پھونکنی ہے۔

"المشائخ کلھم کنفس واحدۃ" کرکے دکھانا ہے۔ ان پاکوں کا پاک عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ
ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے۔ یہی علماء مشائخ اور ان کے برگزیدہ عزائم والے
ہیں جن کا نام آل انڈیا سُنی کانفرنس یا جمہوریت اسلامیہ ہے اور جس میں اس وقت تک
صرف علماء و مشائخ کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے اور اسی سُنی کانفرنس کا آج خواجہ کی چوکھٹ
پر جلسہ صرف اپنے خواجہ کے حضور حلف وفاداری اٹھانے کا ہے۔

میرے سُنّی بھائیو! اب ہم پر حجت الہیہ ختم ہو چکی اور اگر ہم ان راہنماؤں سے بچھڑ
گئے تو میدان حشر میں ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ ہمارے جگانے والے پکار رہے ہیں کہ
سُنیو! ہوشیار، خبردار! ہمیں ترقی دینے والے بلا رہے ہیں کہ "آؤ بڑھے چلے آؤ"۔ اے سُنی بھائیو
اے مصطفےٰ کے لشکریو! اے خواجہ کے متوالو کیوں سوچ کر سہتے والے مہربان آگئے اور تم
کیوں رکو کر چلانے والی طاقت خود آگئی اب بحث کی لعنت کو چھوڑ دو۔ اب غفلت کے جرم
سے باز آؤ۔ اٹھو پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی دیر کو پاکستان بنا لو کر یہ کام

اے سنیو! سن لو کہ صرف تمہارا ہے۔

حضرات سب نے بار بار پاکستان کا نام لیا اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان
بنانا صرف سنیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کرے
گی اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے نہ شاعری ہے اور سنی کانفرنس سے غلو کی بنا پر یہ
پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کو چڑ ہے اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے اور اپنا
وظیفہ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے پورا نہیں کرتا۔ اب رہا پاکستان کا بنیادی بات۔
یہ ملک کسی سیاسی جماعت سے تصادم کیلئے نہیں کہا ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جس کا اظہار
بلا خوف وجہتہ لائم کر دیا ہے۔ اول تو مسلم لیگ کے سوا کوئی ٹولی ایسی نہیں جو پاکستان کے ساتھ
لفظی موافقت بھی رکھتی ہو۔ الکفر ملۃ واحدۃ سارے ناپاکوں نے اپنے اندر بے شمار اختلافات رکھتے
ہوئے پاکستان کے خلاف آرائی کرلی ہے اور مسلم لیگ میں پاکستان کا پیغام کس سے پہنچا اور
اولاً نے مسلم لیگ کا عقیدہ اس کو بنایا اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے تو وہ صرف سنی ہیں۔ پاکستان
کے معنی قرآنی آزاد حکومت ہے۔ مسلم لیگ سے ہمارے سنی کانفرنس کی مجلس عاملہ کے رکن
حضرت سید شاہ زین الحسنات[1] صاحب سجادہ شریف مانکی شریف (سرحد) نے لکھوا لیا
ہے کہ اگر ایک دم سارے سنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتا دے کہ مسلم لیگ کس
کو کہا جائے گا۔؟ اس کا دفتر کہاں رہے گا؟ اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا۔؟
اس کے بعد حضرت محدث اعظم صدر آل انڈیا سنی کانفرنس نے حسب فرمائش اراکین و حاضرین اس
معرکۃ الآرا خطبہ صدارت کے چند اقتباسات سنائے جو آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس بنارس
میں مقبول خاص و عام ہو چکا تھا اور فرمایا کہ :-

میں اپنے سنی بھائیوں کو آخر میں پرزور دعوت دیتا ہوں کہ زندگی کی پہلی فرصت میں سنی

[1] یعنی حضرت زین الحسنات پیر صاحب آف مانکی شریف علیہ الرحمۃ۔

جھنڈے کے نیچے آجائیں جس کا سبز رنگ قبہ خضرا کی سرسبزی سے ماخوذ ہے اور جس کا ہلال
بدر کامل ہونے کی تڑپ رکھتا ہے اور جس کی چمک اپنی آغوش میں اس سبز گنبد کو لئے ہے۔
جس کے سایہ میں دین اور دنیا کی بھلائی قدرت نے رکھی ہے۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ

(فقیر ابو المحامد سید محمد غفرلہ اشرفی جیلانی صدر آل انڈیا سنی کانفرنس) [1]

قرارداد بنارس مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء

آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان
کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے
لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں
جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔

[1] "خطبات سنی کانفرنس" کے نام سے ایک کتاب چھپ رہی ہے جس میں حضرت محدث صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کے چند خطبات کے علاوہ تمام اکابر اہل سنت کے خطبات درج ہیں (ادارہ)
نوٹ: حضرت مجدد صاحب اپنے ماموں حضرت مولانا الحاج ابو المحمود سید محمد اشرف صاحب
قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس بات کی تصدیق میں نے خود میں نے حال ہی میں سید
ابو المسعود سید محمد مختار اشرف کچھوچھوی سے کی ہے۔ (محمد اشرفی بقلم خود)

حکیم مولانا غلام محمد ترنم

پیدائش مولانا غلام محمد ترنم سنہ ۱۹۰۰ء میں شہر امرتسر میں پیدا ہوئے۔

تعلیم ابتدائی دینی تعلیم مولانا پروفیسر عبدالرحیم مرحوم المتوفی سنہ ۱۹۱۳ء اور فقیہ عصر مولانا مفتی عبدالصمد خاں کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی سنہ ۱۹۱۸ء بمطابق سنہ ۱۳۳۶ھ سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کے والد ماجد جناب عبدالعزیز کاشمیری نے آپ کو قالین بافی اور شال بافی کے فن سیکھنے کا مشورہ دیا جس میں آپ نے خوب مہارت حاصل کی اور ایک اعلیٰ درجے کے ڈیزائنر بن گئے۔ چند سال اس فن کو ذریعہ معاش بنائے رکھا لیکن طبیعت نے اس فن کو قبول نہ کیا اور آپ تعلیم کی طرف دوبارہ راغب ہو گئے۔ مولانا اس نیک اور عظیم مقصد کے لئے جناب علامہ محمد حسین عرشی امرتسری کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اپنے علمی مشاغل کی گوناگوں مصروفیت کے باعث اظہار معذوری کرتے ہوئے اپنے شیخ استاد گرامی حکیم الشعرا حکیم فیروز الدین فیروز طغرائی والمتوفی سنہ ۱۹۳۱ء کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ حضرت طغرائی کی امداد و اعانت سے آپ نے منشی فاضل تک تعلیم حاصل کی۔ دوسرے سال ادیب فاضل کے امتحان میں بھی کامیابی حاصل کر لی۔ فن شعر و شاعری میں بھی استفادہ کیا اور فن طب کی تعلیم کی تکمیل بھی انہی سے کی اور انہوں نے ہی آپ کا تخلص ترنم تجویز کیا۔ کچھ دنوں بعد دینی تعلیم سے فارغ ہو کر حکیم حاجی محمد علی حال مقیم گوجرانوالہ اور حکیم محبوب عالم امرتسری سے فن طب کی آخری کتابیں پڑھیں۔ لاہور کے حکیم شہزادہ غلام محمد سے طب کے اصول سیکھے۔ آپ کا دل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سچی

محبت سے سرشار تھا۔ آپ کا نعتیہ کلام عشق رسول امام علیہ صلوٰۃ والسلام کا منہ بولتا نمونہ ہے۔

درس و تدریس حضرت مولانا غلام محمد ترنم نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد سنہ ۱۹۲۱ء میں جامع اسلامیہ کی بنیاد رکھی اور امرتسر کے اس ادارے میں مسلمان طلباء کو فاضل عربی، فاضل فارسی اور فاضل اردو پنجاب یونیورسٹی کے سلیبس کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس تعلیمی درس گاہ نے بہت ترقی کی اور لاتعداد نوجوان مسلم اس سے مستفیض ہو کر محکمہ تعلیم میں برسر روزگار ہو جاتے۔ مولانا ترنم کے حقیقی بھانجے جناب محمد سعید شیدا صاحب اس کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

تبلیغ دین مولانا کو اپنے مسلک سے جو والہانہ عشق تھا اس کی مثال بھی بہت کم ملتی ہے۔ موصوف ایک جادو بیاں خطیب اور شعلہ نوا مقرر تھے۔ آپ کی سحر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ جن مساجد میں خال خال نمازی آیا کرتے وہاں آپ کے خطبہ جمعہ سننے کے اشتیاق میں صدہا نمازیوں کا اجتماع ہونے لگا۔ آپ کے بلند پایہ عالمانہ اور ناصحانہ وعظ خاص و عام میں یکساں مقبول تھے۔ اس مبلغ اسلام کی مقبولیت و ہر دلعزیزی کے پیش نظر بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں آپ کی نسبت فرماتے ہیں ؎

ترنم چاند ہے اس شہر میں علم اور حکمت کا
درخشاں اس کے دم سے ہیں مسلمانان امرتسر

امرتسر کے احناف نے انجمن "تبلیغ الاحناف" قائم کر رکھی تھی۔ مولانا اس کے روح رواں تھے۔ اس انجمن کے زیر اہتمام سیدنا حضرت امام اعظم کا عرس مبارک ہر سال مسجد میاں جان محمد بازار میں نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا۔ عرس مقدس کے سہ روزہ جلسوں میں مقامی علماء کے علاوہ متحدہ ہندوستان کے جلیل القدر علماء و فضلاء اور مشائخ عظام شمولیت فرما کر اپنے مواعظ حسنہ سے عوام کو مستفیض فرماتے تھے۔ اس عرس کی اہمیت کا آپ کو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ درج ذیل اکابرین اس میں شرکت فرماتے تھے۔

امیر ملت حضرت حافظ الحاج سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، شیخ القرآن حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی۔ صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مبلغ یورپ حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی، فقیہہ اعظم حضرت مولانا محمد شریف کوٹلوی، حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری ثم لاہوری، ابو المجاہد حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھویؒ، بلبل بوستان رسالت حضرت مولانا محمد یار فریدی بہاول پوری، مناظر اسلام مولانا حکیم مطلب الدین جھنگوی، حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہوری، حضرت مولانا عبدالمجید قادری والد ماجد مولانا عبدالحفیظ حقانی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اس عرس میں ایک دفعہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاںؒ نے شرکت فرما کر مسلمانانِ امرتسر کو اپنی فاضلانہ تقریر سے مستفید فرمایا تھا۔ شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی اور حضرت مولانا محمد سردار احمد محدث لائل پوریؒ بھی سالانہ عرس کی اس مقدس تقریب میں شرکت فرماتے رہے۔

تحریک پاکستان

حکیم مولانا غلام محمد ترنم امرتسری تحریک پاکستان کا ایک سچا اور مخلص مجاہد تھا۔ ۱۹۳۵ء سے حضرت مولانا موصوف اس تحریک میں شامل ہوئے۔ مشرقی پنجاب میں آپ اور حضرت سید بوٹے شاہ صاحب رنداسی نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان بزرگوں نے جن دنوں دو قومی نظریہ کا علم بلند کیا، ان دنوں پنجاب اور خصوصاً امرتسر کانگرسی علماء اور نیشنلسٹ مسلمانوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ڈاکٹر محمد عالم، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو اس مسلم کش تحریک کے بانی تھے اور قریہ قریہ یہ لوگ سکھوں اور ہندوؤں کے مبلغین اور کانگرسی لیڈروں کے ساتھ جا کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کرتے تھے۔ ان کے سحر سامری کو ختم کرنے والے یہ دو ہی بزرگ تھے۔ ۱۹۴۲ء قصبہ بھوما وڈالہ ضلع امرتسر میں شب برات کے روز بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں مولانا غلام محمد ترنم اور حضرت پیر سید بوٹے شاہ صاحب نے شرکت کی۔ ان دونوں بزرگوں نے اس

جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے علاقہ کے مسلمانوں سے تین بار حلف لیا کہ ہم نیشنلسٹ اور کانگرسی علماء کی پاکستان دشمن تحریک میں شامل نہیں ہوں گے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ان بزرگوں کی جدوجہد کامیاب ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے مشرقی پنجاب میں تمام مسلمان کانگرس سے قطع تعلق کرکے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ حضرت مولانا موصوف کو مجھے نزدیک سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ صحیح معنوں میں اسلام کے بہی خواہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پوری طرح پیروی کرتے تھے۔ میرے والد ماجد حکیم مولانا فضل دین ہمیشہ شب برات کے موقع پر ہر سال آپ کو اور حضرت سید بوٹے شاہ صاحب کو شمولیت کی دعوت دیا کرتے۔ میرے والد ماجد حضرت امام اعظمؒ کے عرس کے موقع پر شریک ہوتے۔

۱۹۴۵ء میں اس عرس شریف میں حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور سید جماعت علی شاہ علی پوری، حضرت محمد محدث کچھوچھوی اور سید بوٹے شاہ رنداسی نے شرکت فرمائی۔ عرس کے بعد ان مقدس ہستیوں نے ضلع امرتسر کا دورہ فرمایا اور تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے مدلل اور پرجوش تقریریں کیں۔ حضرت سید جماعت علی شاہ ضعیف العمر ہونے کے باوجود جب کبھی جلسہ سے خطاب فرماتے تو دور دور تک آپ کی آواز سامعین تک پہنچ جاتی اور جلسہ گاہ میں حاضرین پر رقت طاری ہو جاتی۔ ان بزرگ ہستیوں کا جہاں جہاں قدم مبارک پڑا، اس کے بعد کانگرس یا دوسری نیم کانگرسی جماعتوں کا جلسہ کامیاب نہ ہوا۔ انہی جگہوں پر جہاں کانگرسی لیڈروں کو گلے میں ہار ڈالے جاتے تھے وہاں پتھر پڑتے دیکھا۔ پاکستان زندہ باد اور قائد اعظم زندہ باد کے نعروں سے مشرقی پنجاب کی فضا گونجنے لگی۔

۱۹۴۶ء کی بنارس کانفرنس کے بعد حضرت پیر سید جماعت علی شاہ کی قیادت میں انہی بزرگ ہستیوں نے پورے پنجاب کا ہنگامی دورہ کیا۔ ان میں حضرت مولانا غلام محمد ترنم بھی شامل تھے۔ اس کے بعد یہ بزرگ صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے۔ وہاں کانگرس اور خدائی خدمتگاروں کا گھمنڈ خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ وہاں حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی اور پیر صاحب مانکی شریف

بھی اس گروپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یہاں قائد اعظم کی ناامیدی کو ان نورانی ہستیوں کے قدم مبارک نے شاندار فتح سے ہمکنار کیا۔ مسلم لیگ پاکستان کے حق میں تراسی فیصد اسلامیان صوبہ سرحد نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر خان عبدالغفار سرحدی گاندھی بیراتی کی شمارہ ہندوستان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ آج پھر ان مخلص بزرگوں کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اسلامیان پاکستان آج پھر بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ آج پھر اپنی ملک دشمن جماعتوں نے مل کر ملک کو تہہ و بالا کرنا شروع کر دیا ہے۔ دو قومی نظریہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ پاکستان اور تحریک پاکستان کے حق میں اگر کوئی لکھتا ہے تو اسے تنگ نظر کہہ کر چڑایا جا رہا ہے اور اسے متعصب سمجھا جاتا ہے۔ وائے قسمت اس پاک سرزمین پر اس وقت نے بھی آنا تھا!

طبی سیاست

آپ فن طب کے ممتاز ماہر اور علم معقول و منقول میں فاضل اجل تھے۔ اور اعلےٰ درجے کے شیریں کلام شاعر بھی تھے۔ آپ کے مطب میں ہمیشہ مریضوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں پنجاب پروانشل طبی کانفرنس میں شرکت کی اور عمر کے آخری ایام تک وہ ترقی فن طب کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ ایک مدت تک پاکستان طبی کانفرنس کے شعبہ نشر و اشاعت کے سیکرٹری کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ آپ کا مطب امرت دھارا بلڈنگ ریلوے روڈ لاہور پر واقع تھا۔

پاکستان میں آمد

تقسیم برصغیر کے بعد حضرت مولانا ترقم نے لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے اس جگہ بھی اپنے تبلیغی مشاغل کو جاری رکھا۔ حضرت مولانا ترقم مرحوم ایک جادو اثر خطیب اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ آپ کی سحر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ جس جگہ آپ تقریر فرماتے۔ دور دراز سے لوگ جوق در جوق آپ کی جلسہ گاہ میں شرکت کرتے آپ کے بلند پایہ اور محبت رسول میں بھرے ہوئے مواعظ عام و خاص میں یکساں مقبول تھے لاہور کی فضا میں جہاں لوگ حضور پاک پر سلام و قیام کے منکر ہو رہے تھے اور تبلیغی جماعت کا جادو یہاں پر چل چکا تھا۔ آپ کی آمد پر فضا مصطفےٰ جان رحمت کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی اور

آپ کی تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ گلی گلی کوچہ کوچہ میں محافل میلاد منعقد ہو رہی ہیں۔ طبابت کا سلسلہ بھی اس کے ساتھ ساتھ جاری رہا۔ جامعہ اسلامیہ کو بھی ریلوے روڈ پر جاری کیا جس سے حنفی مسلک کو لاہور میں مزید تقویت ملی۔

خطیب جامعہ سول سیکرٹریٹ

لاہور پہنچنے کے بعد حضرت مولانا ترقم نے اپنے تبلیغی پروگرام کے تحت مسجد حضرت داتا گنج بخشؒ میں وعظ و خطابت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر مسجد حنفیہ موری دروازہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا کے عقیدت مندوں نے مسجد سول سیکرٹریٹ میں خطابت کی دعوت دی جو مولانا موصوف نے بصد خوشی قبول فرمائی۔ شروع میں یہ مسجد بہت چھوٹی تھی۔ حضرت مولانا کی خطابت کا یہ اثر ہوا کہ علاقہ کے عوام جوق در جوق آپ کی تقریر سننے کو جمع ہوتے۔ گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لاتے۔ ایک روز جگہ کی تنگی کے باعث انہیں دھوپ ہی میں نماز ادا کرنا پڑی۔ حضرت مولانا نے موقع غنیمت جان کر گورنر مرحوم کی توجہ مسجد کی توسیع کی طرف دلائی۔ سردار عبدالرب نشتر نے دفتر جا کر مسجد کی توسیع کے لئے بیس ہزار روپے کی منظوری دے دی۔ اس کے علاوہ صاحب ثروت لوگوں نے لاکھوں روپے مسجد کی توسیع کے لئے دیئے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ مسجد لاہور کی بہترین مساجد میں شمار ہونے لگی۔ حضرت مولانا جن دنوں اس مسجد کے خطیب مقرر ہوئے تو سیکرٹریٹ کے باغیچے میں سنگ مرمر کی صلیب بنی ہوئی تھی۔ سیکرٹریٹ میں داخل ہوتے ہی پہلے اس صلیب پر نظر پڑتی۔ خطبہ جمعہ کے موقع پر اسے ہٹائے جانے کا مطالبہ کیا گیا اور قرارداد کے ذریعے گورنر پنجاب اور چیف سیکرٹری کی توجہ اس طرف مبذول کرائی مگر انہوں نے معاملہ آیا گیا کر دیا۔ دوسرے جمعہ کے موقع پر حضرت مولانا موصوف نے عام اعلان کر دیا کہ اگر آئندہ جمعہ تک یہ صلیب اٹھائی گئی تو میں کدال لے کر سیاہ دل انگریز کی یہ یادگار ہمیشہ کے لئے زمین بوس کر دوں گا۔ آپ کے اعلان کا یہ اثر ہوا کہ مقررہ میعاد سے پہلے ہی اس صد سالہ فرنگی یادگار کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا گیا۔

جمیعت العلماء پاکستان میں شمولیت

حضرت مولانا غلام محمد ترنم نے دیکھا کہ ترقم دشمن عناصر ملک میں دوبارہ سر اٹھا رہے ہیں تو انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر جمیعت العلماء پاکستان کی بنیاد ڈالی اور جمیعت العلمائے پاکستان صوبہ پنجاب کے آپ پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اس کے بعد اس جماعت کی ملک گیر شاخیں قائم ہوگئیں تو آپ کو جمیعت علماء پاکستان کا نائب صدر منتخب کر لیا گیا۔ اس سلسلہ میں ان کی سعئ بلا شبہ قابل ستائش ہے۔ جمیعت کے صدر حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری "آپ کی سیاسی بصیرت کے بے حد مداح تھے کیونکہ مولانا فی الحقیقت ملکی سیاست پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر ملک کے سواد اعظم کو ۱۹۴۷ء کی طرح متحد نہ کیا گیا تو ملک دشمن تحریکیں دوبارہ جنم لے اٹھیں گی اور ان تحریکوں کو ملک سے کوئی ختم نہیں کر سکتا سوائے رسول عربی کے غلاموں کے۔ لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ ناعاقبت اندیش گروہ نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے محب وطن تحریک کو دبا دیا اور ملک دشمن عناصر اندر ہی اندر اپنے کل پرزے نکالتے رہے۔ جس کا نتیجہ سقوط مشرقی پاکستان، متحدہ سندھ اور لندن پلان کی شکل میں رونما ہوا۔ جمیعت العلمائے پاکستان کی طرف سے دستور اسلامی پر ایک مقالہ شائع ہوا تھا جو مولانا کی ذہانت اور بالغ نظری کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کتابچہ کو ملک کے محب اور علمی حلقوں میں بہت مقبولیت حاصل ہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں حضرت مولانا ترنم نے پورے ملک کا دورہ کر کے ملک میں تقریریں کیں۔ قادیان کے بارے میں عوام کو آگاہ کیا اور ان کی تحریک کے خلاف ملک کے سواد اعظم کو ہموار کیا۔ دیگر علمائے حق کے ساتھ اس مجاہد ملت کو بھی چھ ماہ سے زائد قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔

فیلو پنجاب یونیورسٹی و ممبر آف سینڈیکیٹ

پاکستان کے قیام کے بعد جب مولانا ترنم لاہور تشریف لائے تو ان کو فیلو پنجاب یونیورسٹی اور ممبر آف سینڈیکیٹ مقرر کیا گیا۔ مولانا نے یونیورسٹی میں اسلامی تعلیمات

نصاب میں شامل کرانے کی بدرجہ اتم کوشش کی اور پنجاب یونیورسٹی کے نصاب سے درس دیوبند وغیرہ شٹ علماء کا تذکرہ ختم کرانے میں بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی جس میں موصوف کو کافی حد تک کامیابی حاصل ہوئی۔

جہاد کشمیر

مولانا غلام محمد ترنم نے جہاد کشمیر میں بھی نمایاں کارنامہ سر انجام دیا۔ حضرت مولانا ابوالحسنات "جب مجاہدین کشمیر کے لئے امدادی سامان لے کر محاذ جنگ پر پہنچے تو مولانا غلام محمد ترنم نے بھی ان کا ساتھ دیا اور یہ دونوں بزرگ بہ نفس نفیس جہاد پر تشریف لے گئے اور راجوری کے محاذ پر آپ نے مجاہدین کی پوری پوری امداد فرمائی اور ان کی معیت میں جہاد میں بھی شامل رہے۔ مختلف محاذوں پر جا کر تقاریر کرتے، مجاہدین کے دلوں کو گرماتے۔ ۱۹۴۹ء میں میں خود بھی اس جہاد میں شامل تھا۔ پنارہ سرجیکل یونٹ دریائے کشن گنگا کے کنارے ہمارا کیمپ تھا۔ ایک بار حضرت مولانا وہاں تشریف لائے۔ کافی دیر تک ہمارے پاس ٹھہرے رہے اور جہاد فی سبیل اللہ پر پُر زور تقریر فرمائی۔ حقیقت ہے کہ ان ہی بزرگ ہستیوں کی جدوجہد سے کشمیر کا یہ حصہ پاکستان کے ہاتھ لگا ورنہ اپنی فوجی طاقت ان دنوں نہ ہونے کے برابر تھی۔ حضرت بابا بادشاہ گل امیر جہاد کشمیر سے آپ کو بہت عقیدت تھی۔ اکثر آپ کی ان سے ملاقات ہوتی رہتی۔ خان لیاقت علی خاں نے ۱۹۵۱ء میں جب بھارت کو مکہ دکھایا تھا تو ان دنوں بھی حضرت مولانا موصوف کشمیر کے اگلے مورچوں میں شامل تھے۔

بیعت

آپ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے نیز حضرت قبلہ شاہ علی حسین چشتی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض باطنی کیا تھا۔

اخلاق

حضرت مولانا غلام محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ایک مکمل نمونہ تھی۔ زندگی بھر نہایت سادہ رہے۔ قمیص، شلوار اور ترکی ٹوپی آپ کا لباس تھا۔ موسم سرما میں کوٹ کا اضافہ کر لیتے۔ دو چار میل کے سفر کے لئے

سواری کا انتظار نہ کرتے ۔ بڑے بڑے جلسوں اور دعوتوں میں شرکت فرماتے تو آپ کا یہی لباس ہوتا۔ آپ نہایت خوش طبع، خلیق، ملنسار اور کم گو بزرگ تھے۔ صوم و صلوٰۃ کو حرزِ جان سمجھتے اور نماز باجماعت بیماری کی حالت میں بھی قضا نہ کرتے ۔

وفات

حضرت مولانا غلام محمد ترنم کو اڑھائی تین سال وفات سے پہلے ذیابیطس کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ مرض بڑھتا گیا جس سے دل اور جگر متورم ہو کر بڑھ گیا تھا۔ ان تکالیف کے باوجود بھی ان کے معمولات زندگی میں کچھ فرق نہ آیا۔ آخر وفات سے دو ماہ قبل مرض نے شدت اختیار کر لی جس کے باعث آپ خطبہ جمعہ دینے کے قابل نہ رہے لیکن بستر علالت پر بھی آپ صوم و صلوٰۃ کے پابند رہے آخر اسلامیان برصغیر پاک و ہند کا یہ عظیم المرتبت راہنما مبلغ اسلام مورخہ ۱۷ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ بمطابق ۲۲ جولائی ۱۹۵۹ء جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو رحلت فرما گئے ۔

آخری آرام گاہ

حضرت مولانا غلام محمد ترنم کی آخری آرام گاہ قبرستان میانی بہاولپور روڈ بلب سڑک (لاہور) بالمقابل مزار شریف حضرت میر محمد صوبہ نقش بندی میں ہے اور ۱۹۶۹ء میں قوم نذیر احمد صاحب اختر کی تحریک کے انجمن تبلیغ الاحناف (امرتسر) لاہور نے حضرت مولانا کے مزار کو سنگِ مرمر سے پختہ تعمیر کروایا اور لوح نصب کرادی ۔

تصانیف

مولانا بہت مصروف رہتے تھے انہیں تصنیف و تالیف کے لئے وقت نہیں ملتا تھا لیکن پھر بھی آپ چند علمی تبرکات بطور یادگار چھوڑ گئے ہیں ۔

۱۔ نعتیہ کلام جو سارے کا سارا محفوظ نہیں ہے ۔

۲۔ دستورِ پاکستان ، چالیس صفحات پر مشتمل یہ فاضلانہ مقالہ مولانا نے صدر جمعیت العلماء پاکستان پنجاب کی حیثیت سے جمعیت کی سالانہ کانفرنس منعقدہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ دسمبر ۱۹۵۰ء کے ایک جلوس میں پڑھا جو بعد میں مولانا حکیم معین الدین نعیمی سابق ناظم جمعیت العلماء نے پاکستان نے پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔

شعر و شاعری

آپ کو شعر و شاعری سے دلی لگاؤ تھا۔ نمونہ کلام بطور مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ فرمائیں ۔

کیا کہے گا دل ناداں تجھے سودا کیا ہے
وہ اگر پوچھ لیں مجھ سے کہ تمنا کیا ہے
کون اندازہ کرے وسعتِ نظارہ کیا ہے
میری بیتاب نظر نے ابھی دیکھا ہے
دل کشی پھولوں میں، تاروں میں، بہاروں میں نہیں
ماسوا آپ کے اس دہر میں اچھا کیا ہے
یہ آسماں سے اترتے ہیں فرشتے رقصاں
روح کے سازمیں آخر کوئی نغمہ کیا ہے
آپ کے غم کو خدا دل میں سلامت رکھے
آپ کا غم ہو تو اندیشۂ دنیا کیا ہے
کچھ نہیں جانتے ہم تیری طلب میں گم ہیں
محشرِ امروز ہے کیا حشرِ فردا کیا ہے
نہ تصور میں یہ قدرت نہ تخیل میں یہ تاب
کیا کہیں چہرۂ پُر نور کا نقشہ کیا ہے
اک ترنم ہی نہیں جلوۂ حیرت کا اسیر
ہر کوئی سوچ رہا ہے ترا جلوہ کیا ہے۔

حکیم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی (اکا کا جیل) مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش

آپ ۱۳۴۱ھ میں مراد آباد محلہ شہری سرائے میں پیدا ہوئے۔

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد صوفی صابر اللہ شاہ سے حاصل کی۔ پھر ۱۹۳۲ء میں آپ کو جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخل کروا دیا گیا جس سے آپ کی باقاعدہ عربی تعلیم شروع ہوئی۔ حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی آپ سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ ہونہار طالب علم دیکھ کر آپ کے استاد حضرت مفتی محمد عمر نعیمیؒ اکثر آپ کی تعریف کرتے۔ موصوف جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔ ۱۹۴۰ء میں حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ نے اپنی تفسیر "خزائن العرفان" کو دوبارہ طبع کرانے کا ارادہ فرمایا تو ترجمہ و تفسیر اصل مسودات کی تصحیح کے کام میں مولانا غلام معین الدین نعیمیؒ کو اپنا شریک بنایا۔ استاد محترم کی خصوصی توجہ سے موصوف چند ہی سالوں میں علوم عقلیہ و نقلیہ کے متبحر عالم بن گئے۔ ۱۹۴۱ء میں جب حضرت صدر الافاضلؒ کو دوسری دفعہ جس بول کا عارضہ ہوا: تو دو تین دن تک کی سعی بسیار کے باوجود جب سالم حضرت مایوس ہوگئے تو شدت مرض کے دوران آپ نے مولانا مفتی محمد عمر نعیمیؒ اور بڑے صاحبزادے حکیم سید ظفر الدین احمد سے فرمایا کہ قرآن کریم کی طباعت مکمل نہیں ہوئی ہے۔ تصحیح کام شاہ جی (غلام معین الدین نعیمیؒ) سے کرانا۔ چونکہ یہ میرے طرز تحریر اور رسم الخط سے خوب واقف ہیں، میں تو ان کو دیتا تھا۔ یہ اپنی سعادت مندی سے لے لیتے تھے۔ لیکن تم ان کو بہر حال راضی رکھنے کی کوشش کرنا اور شاہ جی کے ساتھ گجرات سے مفتی احمد یار خاں کو بلا لینا۔ یہ دونوں طباعت کی

تصحیح کریں گے۔ دوران تعلیم آپ نے حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ کی خواہش سے تحصیل علم کا کام کیا اور ۱۹۴۲ء میں طبیہ دابیہ کالج لکھنؤ سے الحکیم الفاضل کی سند حاصل کرلی اور اس کے ساتھ ہی علوم دینیہ کی تمام درسی کتابیں بھی اپنے اساتذہ سے پڑھ چکے تھے۔ اس کے فوراً بعد آپ بیمار ہوگئے بیماری کا سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ سات مرتبہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے موتی جھارہ نکلی۔ بعدہٗ فالج گرا جس کا حملہ شدید تھا۔ مرض کی شدت اور دیرینہ علالت کے بعد کیفیت یہ تھی کہ کھال کے لفافہ میں ہڈیوں کے سوا اور کچھ محسوس نہ ہوتا تھا۔ زندگی باقی تھی لیکن بظاہر اس کی کوئی نشانی نظر نہ آتی تھی۔ دو سال تک متواتر صاحب فراش رہنے کے بعد آپ کو غسل صحت نصیب ہوا اور اس کے بعد ۱۹۴۵ء میں باقاعدہ طور پر آپ کی دستار بندی ہوئی۔

تحریک پاکستان

ان دنوں متحدہ ہندوستان میں تحریک پاکستان زوروں پر تھی حضرت صدر الافاضلؒ جو اس نظریے کے اصل بانی اور سنی کانفرنس کی روح رواں تھے۔ انہوں نے اپنی مساعی جمیلہ کو تیزی سے تیز تر کردیا۔ مفتی غلام معین الدین مرحوم سے اس سلسلہ میں جو کام لیا گیا خود موصوف کی زبانی ملاحظہ ہو۔ اسی دوران تحریک قیام پاکستان شروع ہوگئی۔ آپ نے سنی کانفرنس کی تنظیم تیز تر کردی اور ملک میں دورے شروع کردیئے لہٰذا اس خادم کو مرکزی دفتر آل انڈیا سنی کانفرنس کا منصرم مقرر کیا۔ تمام مراسلات و مواصلات تحصیل و ترسیل زر اس خادم کے سپرد ہوئی اور جب ملک میں حضرت کے دورے قیام پاکستان کے سلسلے میں شروع ہوئے تو اس خادم کو اپنی خدمت میں ساتھ رکھا۔

بنارس کانفرنس

آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ ۲۴، ۲۷ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ بمطابق ۲۷، ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو تحریک پاکستان کو ہم اہمیت حاصل ہے۔ جو قرارداد لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو ہوئی۔ ۱۹۴۶ء کو متحدہ ہندوستان میں جو جنرل الیکشن ہو رہے تھے۔ اس میں مسلم لیگ کی مخالفت پر کانگرس کی حلیف جماعتیں جمعیت العلمائے اسلام (ہند) جمعیت احرار، جمعیت خاکسار، خدائی خدمت گار اور نیشنلسٹ علماء جن کو خاص کانگرس کی آشیرباد حاصل

تھی۔ مسلم لیگ کے مقابلہ پر آگئیں۔ اگر خدانخواستہ اس الیکشن میں مسلم لیگ کو بھاری اکثریت حاصل نہ
ہوتی تو پاکستان کے قیام میں مزید پانچ سال تاخیر ہو جاتی۔ بنارس کانفرنس میں برصغیر پاک و ہند کے پانچ
صد مشائخ سات ہزار علمائے حق اہل سنت والجماعت اور دو لاکھ سے زائد عام حاضرین نے حصّہ
لیا۔ اس کانفرنس میں (مؤلف کتاب ہٰذا) بحیثیت نمائندہ کامن ویلتھ ریڈیو لیور سے جاپان شامل
ہوا۔ میں اپنے ذاتی مشاہدہ سے کہہ رہا ہوں کہ برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے سے اسلامیان پاکستان
کے نمائندے شامل ہوئے، جنہوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ امیر ملت حضرت پیر سید
جماعت علی شاہ علی پوری، حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی، حضرت سید محمد محدث جیلانی کچھوچھوی اور
پیر صاحب مانکی شریف کی شرکت سے یہ کانفرنس بے حد مقبول ہوئی۔ افسوس کہ پاکستان کے قیام
کے بعد مسلمانوں کی تحریک پاکستان کے حق میں اس قسم کی گراں قدر قربانیوں کو صفحۂ تاریخ پر جگہ نہ دی۔
بلکہ اس کے برعکس ان تحریکوں کو ہماری نصابی کتب میں شامل کیا جا رہا ہے جنہوں نے دل کھول کر
پاکستان کی مخالفت کی۔ اس کانفرنس کی کامیابی میں حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمیؒ کا بہت بڑا
حصہ ہے۔ آپ کا نمایاں کردار روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ اس کانفرنس کے نائب ناظم تھے
آپ نے علماء و مشائخ کے دوش بدوش کام کیا۔ جس نے مسلمانوں کو تحریک آزادی کی صف
میں لا کھڑا کیا۔ بلاشبہ آپ مسلمانوں کے ایک عظیم راہنما تھے۔ آپ اسلامیان برصغیر کی مذہبی، سیاسی،
ثقافتی، ادبی اور تعلیمی مشکلات کا حل تھے اور مسلمانوں کو جادۂ حق پر گامزن کرنے میں آپ نے
نمایاں کردار ادا فرمایا۔ آپ نے اس کانفرنس کی کل روداد بعنوان "خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ" مرتب
کرکے شائع کرائی۔ آپ کے بیشتر کارہائے نمایاں ہیں یہ کارنامہ بھی ہمیشہ روز روشن کی طرح عیاں رہیگا

پاکستان میں آمد

تقسیم ملک کے بعد آپ ۱۹۵۰ء میں پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں آنے کے بعد دوست احباب و اقارب اثاثہ بیت و دیگر ضروریاتِ
زندگی کا فقدان ہونے پر آپ دل برداشتہ نہیں بلکہ اپنے مشائخ کے مشن کو جاری رکھنے اور اسے
کامیاب بنانے کیلئے کوشاں رہے اور خدمت مذہب اور ملت و وطن ایسی کی کہ اسم با مسمّٰی کے

مصداق "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" کے تحت مخدوم ملت بنے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ
کی قابل قدر خدمات اور بے مثال حسن کارکردگی کا ہر شخص معترف ہے۔ سنہ ۱۹۵۴ء سے سنہ ۱۹۵۸ء
تک مرکزی جمعیت العلمائے پاکستان کے نائب ناظم اعلیٰ رہے۔ ۵۷-۱۹۵۶ء تک ہفت
روزہ جمعیت شائع کرتے رہے لیکن بعض ناگزیر حالات کی بنا پر اخبار مذکور کو دیگر امور جمعیت سے مستعفی
ہونا پڑا۔

سوادِ اعظم کا اجراء

اس کے بعد آپ نے اپنے شیخ و مرشد صدر الافاضل کی یاد میں اخبار
ہفت وار "سوادِ اعظم" جاری فرمایا۔ جس میں مذہبی و سیاسی اور علمی و
ادبی مضامین شائع ہوتے۔ یہ نشانِ مخدوم اب آپ کے برادر حضرت مولانا غلام قطب الدین نعیمیؒ
اشرفی مدظلہ العالی کی زیر صدارت جاری ہے۔

بیعت

آپ مولانا حکیم سید نعیم الدین مراد آبادی کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ وہ
اپنے استاد حضرت صدر الافاضل مولانا حکیم نعیم الدین مراد آبادی کے عشق میں اس درجہ
سرشار و بے خود تھے کہ ان کا وصال آپ کے ہاتھوں پر ہوا۔ یعنی آپ اس وقت اپنے پیر و مرشد کا
سر مبارک دابے ہوئے تھے اور حضرت موصوف کا سر مبارک آپ کی گود میں تھا۔ وہ آپ کو شاہ جی
کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ وصال کے وقت آپ نے فرمایا:۔
شاہ جی! میرے کمرے سے سب کو باہر جانے کے لئے کہہ دیجئے اور سوائے آپ کے
میرے نزدیک کوئی نہ رہے۔ [illegible] حضرت مولانا نے اپنے بیٹوں کو بھی باہر چلے جانے کو کہہ دیا۔ پھر کیا
تھا کسی قدر توقف کے بعد حضرت اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور آپ نے حضرت موصوف
کی وصیت کے مطابق [illegible] کے بعد ان کے بیٹوں اور عزیز و اقارب کو
اندر بلا لیا۔

تصانیف

آپ نے [illegible] کتب کا ترجمہ فرمایا ہو کر اپنے اپنے علم و موضوع میں
[illegible] سے کیا کر ترجمہ کی بجائے اصل کتب

معلوم ہوتی ہے۔ فنِ ترجمہ کے اہل کو معلوم ہے کہ ایک زبان کو دوسری زبان کا جامہ پہنانا کس قدر مشکل امر ہے مگر حضرت مخدوم ملت اس فن کے استاد تھے۔ آپ نے تفہیم القرآن فی تفسیر القرآن تحریر فرمائی جس کا پہلا حصہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ دیگر تمام کتب سابقہ اہل سنت کے مختلف علوم و فنون اسلامیہ کے بارے میں ہیں۔ جن کتب کو عالمی شہرت حاصل ہے ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

۱۔ الشفا شریف (عربی)
۲۔ مدارج النبوت (فارسی)
۳۔ ماثبت من السنۃ (عربی)
۴۔ کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (فارسی)
۵۔ فتوح الغیب۔
۶۔ ترجمہ شفا شریف۔

وفات

انتقال سے چار ماہ قبل آپ پر یرقان کا حملہ ہوا۔ بس اس وقت سے آپ دن بدن علیل سے علیل تر ہوتے گئے اور "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق کوئی دوا موثر ثابت نہ ہو سکی۔ بڑے بڑے نامور معالج آپ کے علاج کے لئے آئے۔ ہر کسی نے یہی کہا کہ مرض کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بالآخر ۲۔ اگست ۱۹۷۱ء کو آپ کو میو ہسپتال داخل کروا دیا گیا جہاں آپ نے دوسرے دن ۳۔ اگست ۱۹۷۱ء کو اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ آخری وقت آپ کی زبان پر یہ شعر تھا۔

چل دیے باغ سے چمن پیرا
گل و گلزار کا خدا حافظ!

اولاد

حکیم علامہ مفتی غلام معین الدین کی اولاد میں دو صاحبزادے ہیں۔ بڑے کا نام سید نعیم الدین ہے جو بڑے ہونہار ہیں ان کی عمر تقریباً بیس برس کی ہو گی۔ چھوٹے صاحبزادے کا نام سید مظفر الدین ہے جو میٹرک کے امتحان میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کی عمر تقریباً سولہ سال ہے۔ ماشاء اللہ یہ بھی بڑے لائق اور ہونہار ہیں۔

ہدیۂ اخلاص

بحضور امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قادری قدس سرہ العزیز

نتیجۂ افکار: ابو الطاہر فدا حسین فدا مدیر مہر و ماہ لاہور

قتیلِ حسنِ تصویرِ محمد مصطفیٰ ﷺ تم ہو — شہیدِ عشقِ شاہِ دیں ﷺ شہِ احمد رضا تم ہو
بہارِ حسنِ فطرت عشق کی رنگیں فضا تم ہو — فدایانِ رسالت کے دلوں کا مدعا تم ہو
گہے عشقِ حقیقت آفریں کی ابتدا تم ہو — گہے سرمستیٔ الفت کی حضرت انتہا تم ہو
کہا ہے رحمۃ للعالمیں ﷺ خود جس کو یزداں نے — شہا اس جانِ رحمت پر دل و جاں سے فدا تم ہو
دکھائی راہِ توحید و رسالت اک زمانے کو — ہر اک گمراہ و گم گشتہ کے بیشک رہنما تم ہو
فقیہِ بے بدل اور مفتیٔ دینِ نبی اللہ ﷺ — سراپائے طریقت صاحبِ فقر و غنا تم ہو

شہابِ ثاقبِ چرخِ معارف کی تجلّی اک
خدا شاہد کہ خضرِ راہِ دینِ مجتبیٰ تم ہو

نگاہِ ساقیٔ کوثر کے حسن کیف آور سے
ثنا سائے رسالت رمز آگاہ خدا تم ہو

نظر آتا ہر اک شے میں جسے تھا نورِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم
وہ گرویدہ و شیدائے شہِ ارض و سما تم ہو

ہیں جسکے زہد و تقوی کے فلک والے بھی سب قائل
وہ فخرِ دین و ملت، وہ شہ اتقیا تم ہو

علومِ دین و عرفانِ حسن سینے میں ہے مخفی
ریاضِ قادریت کے گُلِ رنگیں قبا تم ہو

جہادِ حق و باطل میں ہمیشہ کی فتح میں حاصل
پئے اعدائے ملت جوہرِ تیغِ خدا تم ہو

تمہارا مرقدِ قدسی نشاں تجلّی زار آئین ہے
رہِ ظلمات میں اک مشعلِ نورِ ہدیٰ تم ہو

کہیں جامیٔ و قدسی بھی فدا سے مرحبا جس پر
وہ حسانِ زمانہ شاعرِ خیر الوریٰ تم ہو

صحت نامہ

مقام افسوس ہے کہ ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' کی جملہ مطبوعات میں یہ پہلی کتاب ہے - جس میں بیشتر اغلاط کی تصحیح ہونے سے رہ گئی ہے - جو احقر اور کاتب کے سہو و تساہل کا نتیجہ ہے

کچھ اغلاط تو ایسی ہیں ، جنہیں قاری کا ذوق سلیم صحیح پڑھ سکتا ہے۔ جن اغلاط کی تصحیح ضروری تھی، ان کی نشان دہی ذیل میں کردی گئی ہے

معذرت خواہ
قاضی صلاح الدین

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
21	12	درماد	داماد
33	17	سہابی	شہابی
46	19	حضرت ابن ثابت	حضرت حسان بن ثاب
49	10	التحیتہ و لثناء	التحیتہ والثنا
51	12	پیر سید نا جماعتعلی	پیر سید جماعت علی
53	3	مقلاہت	مقلدیت
60	13	شاعری بھی	شاعری میں بھی
61	5	اسکرت	اسکرت

یوم رضا

مرکزی مجلس رضا، لاہور — اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ کی علمی، دینی اور ملی خدمات جلیلہ کے تعارف کے لئے کتب و رسائل شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ہر سال آپ کے یوم وصال (عرس مبارک) کے موقع پر جلسہ "یوم رضا" کا انعقاد کرتی ہے، جس میں ملک کے نامور علماء، فضلاء اور دانشور حضرات امام اہل سنت کے عظیم علمی کارناموں اور بے مثال دینی خدمات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ روح پرور تقریب "جامع مسجد نوری" بالمقابل ریلوے اسٹیشن۔ لاہور، منعقد ہوتی ہے۔

ازیں علاوہ "مرکزی مجلس رضا" لاہور کی طرف سے، ملک کے گوشے گوشے میں جلسہ ہائے یوم رضا منعقد کرنے کی اپیل کی جاتی ہے — اس تحریک سے ملک کے اکثر مقامات پر یوم رضا منایا جانے لگا ہے، مگر ہم اس میں مزید وسعت کے خواہاں ہیں۔ لہذا علماء کرام اور اہل سنت کی انجمنوں سے اپیل ہے کہ وہ یوم رضا کو وسیع پیمانے پر منانے کا اہتمام کیا کریں۔

اراکین: مرکزی مجلس رضا۔ لاہور

سلیم ایس پرنٹنگ پریس رام گلی۔ لاہور